محفل
سے
تنہائی تک
عمر عادل مارہروی
ناشر
آل انڈیا متحدہ ملی محاذ (رجسٹرڈ)
Q-25، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی۔24
فون: 011-26985943

عمر عادل

محفل

سے

تنہائی تک

عمر عادل مارہروی

ناشر

آل انڈیا متحدہ ملی محاذ (رجسٹرڈ)

Q-25، بٹلہ ہاؤس، جامعہ نگر، نئی دہلی ۔ 24

فون: 011-26985943

نام کتاب : محفل سے تنہائی تک
مصنف : عمر عادل مارہروی
ناشر : آل انڈیا متحدہ ملی محاذ دہلی (رجسٹرڈ)
باہتمام : اسعد مختار، سکریٹری آل انڈیا تنظیم علماء حق نئی دہلی۔
سنہ اشاعت : ۲/۲/۲۰۱۲
قیمت : سو روپے

اجـــــراء

مورخہ ۲/۲/۲۰۱۲

اتحاد ملت کنونشن بہ مقام غالب اکیڈمی حضرت نظام الدین۔
زیر اہتمام آل انڈیا تنظیم علماء حق نئی دہلی۔

انتساب

امی ابا کے نام

جو بہت یاد آتے ہیں

اور

میرے عزیز وسیم احمد نظام الدین دہلی کے نام
جن کے دست محبت سے میری یہ کاوش آپ
تک پہنچی جس کے لیے میرے دل میں بڑی
قدر ہے۔

عمر عادل

کیسے کیسے اپنے پرائے دوری سے یک جائی تک

رشتے ناتے بھول بھلیاں محفل سے تنہائی تک

ترتیب

○○○

حرف تعارف

مولانا محمد اعجاز عرفی قاسمی

قومی صدر آل انڈیا تنظیم علما حق دہلی

'مارہرہ' کوئی دارالحکومت دہلی اور عروس البلاد ممبئی تو نہیں، لیکن یہ قدرت کا کرشمہ نہیں تو اور کیا ہے کہ یہ دور افتادہ قصبہ معاصر ادبی منظر نامے میں اردو دنیا کا ایک جانا پہچانا نام بن گیا ہے، اس کی گرد وغبار سے اٹی ہوئی شکستہ گود میں بڑے بڑے شاعروں، نامور افسانہ نگاروں اور عالمی پیمانے پر اپنی فنکاری کا اعتراف کروانے والے ناول نگاروں نے پرورش پائی ہے۔ یہی وہ قصبہ ہے جہاں طپش مارہروی، احسن مارہروی، صدیق مارہروی نے بزم سخن آراستہ کی ہے۔ آج کی افسانوی دنیا کا ہر دلعزیز اور مقبول نام سید محمد اشرف بھی اسی مردم خیز قصبے کی ایک درگاہ، درگاہ عالیہ کے روحانی اور عرفانی ماحول سے ابھر کر دنیائے علم وادب میں اپنی شناخت قائم کر رہا ہے۔ عادل مارہروی کے تخلیقی ذہن نے بھی اسی قصبے کی آب وہوا میں سیر کی ہے اور اس کے گلی کوچوں میں اپنا معصوم بچپن بسر کیا ہے، جو افسانے اور شاعری کی دنیا کا معروف نام ہے۔ انھوں نے نثر ونظم دونوں میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا لوہا منوایا ہے۔ ملک وبیرون ملک کے مؤقر رسائل وجرائد میں ان کی شعری اور نثری تخلیقات اپنی انفرادیت کا ثبوت دے رہی ہیں۔ عادل نے اپنی آنکھیں ہی ایسے خانوادے میں کھولیں، جہاں ہر طرف علم وادب کا چرچا تھا، والدہ خلیق فاطمہ زبیری، بھائی اختر عادل روپ اور ضرار عادل مارہروی اور بہن کنیز شیز سبھی کار و بار

ادب سے مربوط تھے، عادل مارہروی نے اس موروثی ادبی روایت کو نہ صرف آگے بڑھایا، بلکہ اپنی جودت طبع اور ذہنی کدو کاوش سے اس کے نقشہائے رنگا رنگ میں اضافہ بھی کیا ہے۔ اس وقت ان کا شعری مجموعہ ''محفل سے تنہائی تک'' میرے مطالعے کی میز پر ہے۔ اس مجموعے میں غزلیں بھی ہیں اور نظمیں بھی۔ حمد بھی ہے اور نعت بھی۔ ''منقبت بھی ہے اور مناجات بھی۔ غزلوں سے زیادہ نظمیں اپنی معنوی وسعت اور موضوعات کے تنوع اور تازہ کاری کی وجہ سے عادل کی شعری کائنات کی تعیین قدر کرتی ہیں۔ میرے خیال میں نظموں میں شاعر کا فن زیادہ نکھر کر سامنے آتا ہے، کیوں کہ نظموں میں معنیاتی اور موضوعاتی ارتکاز کی وجہ سے بہت سی تخلیقی پابندیوں اور ادبی جبر کے سامنے شاعر کے آزادرو ذہن کو ہتھیار ڈالنا پڑتا ہے''۔

عادل مارہروی زندگی اور اس کے نوع بنوع مسائل سے راہ فرار اختیار نہیں کرتے، بلکہ ان مسائل سے نبرد آزما اور دست وگریباں بھی ہوتے ہیں اور قوم اور سماج کو ان مسائل کے حل کی صحیح اور سیدھی راہیں بھی سجھاتے ہیں۔ ان کی شاعری کو پڑھ کر ایسا نہیں لگتا کہ وہ زندگی اور فن کی ثنویت کے قائل ہیں، بلکہ وہ فن اور زندگی کو ایک دوسرے کا تتمہ اور تکملہ تصور کرتے ہیں۔ انھوں نے جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی خلط مبحث میں الجھنے کے بجائے انسانی زندگی اور اس کے مدوجزر کو قریب سے دیکھا ہے اور اس کو اپنی شاعری کے آئینے میں اتارنے کی کوشش کی ہے۔ زندگی کے مسئلے خواہ وہ نام نہاد سماج اور مذہب کے جبر کی دین ہوں، یا تہذیبی شکست وریخت کے، چاہے وہ مسئلہ گلوبلائزیشن اور زندگی کے الٹتے پلٹتے تصورات کی دین ہو، یا استعماریت کی کوکھ سے جنم لینے والے ہوں، سارے مسئلوں کو بڑی خوب صورتی کے ساتھ دو مصرعوں پر مبنی چھوٹے سے پیانے میں بند کر دیا ہے۔ انھوں نے نہ صرف اپنے آس پاس کی محرومیوں، اداس چہروں، گلی کوچوں میں محو خرام بے چینی، اضطراب اور کرب کو شاعری کا پیکر عطا کیا ہے، بلکہ فلسطین، یوگوسلاویہ، مصر، افغانستان اور عراق کی سڑکوں پر رقص کناں مایوسیوں کے قافلوں اور ہر لحظہ زندگی کی بدلتی اقدار کو بھی شعری پیرہن عطا کیا ہے۔ اور طرفہ تماشا یہ کہ کہیں بھی فن اور تخلیقی سریت کی ڈوران کے ہاتھوں سے نہیں چھوٹی ہے۔ ہر شعر زندگی کے چہرے کی کسی نہ کسی پرت سے پردہ اٹھاتا ہے۔ اور انھوں نے اپنی انفرادیت کو بھی فن کے ہاتھوں گروی نہیں رکھا ہے۔ ان کے یہاں غم دوراں بھی ہے اور غم جاناں بھی۔ ان کی ذات بھی ہے اور کائنات بھی۔

عمر عادل کی نظموں میں جن مضامین کو مس کیا گیا ہے، ان سے شاعر کے وسعت مشاہدہ، تخیل کی جدت اور فکر و نظر کے مختلف الجہات زاویوں سے بخوبی پردہ اٹھتا ہے، انھوں نے زندگی کی تلخ ترین سچائیوں کو شعلہ نوائی کا مظاہرہ کیے بغیر خلوص اور صداقت کے ساتھ الفاظ اور قلم کے حوالے کر دیا ہے۔ درج ذیل اشعار پڑھیے اور ان کے الفاظ، مصرعوں کے دروبست اور ترکیب کی گہرائیوں میں جھانکیے، زندگی کے سارے سیاسی، اسلامی، سماجی اور معاشرتی مسئلے ایک ایک کر کے ابھریں گے اور ساری تہذیبی اور تمدنی تصویر نظروں کے سامنے گھوم جائے گی۔ کسی شعر میں نئے زمانے کی دین بے چہرگی، اجنبیت اور بحران ذات کو آشکار کیا گیا ہے، تو کسی شعر میں زندگی کی ناقابل اختتام پیچیدہ حقیقتوں اور خود ساختہ فلسفوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ کہیں موجودہ زمانے کی فریب دہی، عیاری، مکاری اور ظاہر داری کو کو آئینہ دکھایا گیا ہے، تو کہیں گلوبلائزیشن کے عہد میں ٹوٹتے بکھرتے انسانی رشتوں کے المیے کا رونا رویا گیا ہے۔

نئے مکانوں کے در و دیوار تو بہرے ہیں
فقیر شہر یہ تو کس طرف نکل آیا

امیدیں، حسرتیں، محرومیاں، تمنائیں
فقیر شہر چھپائے ہوئے ہے سرمایا

ہمارے سر پہ مسائل کی دھوپ رہتی ہے
ہمارے ساتھ سفر کا خیال مت کرنا

انھیں کی انگلیاں اٹھی ہوئی ہیں
کہ جن ہاتھوں میں آئینہ نہیں ہے

عمر کے سارے رنگ تو اوپر اوپر ہیں
اندر اندر لوگ سبھی بچے ہوتے ہیں

عجیب کھیل تھا الفاظ اور لہجے کا
کہ جھوٹ بولنے والا ہی معتبر نکلا

بیٹی بیٹے ناتی پوتے کہاں گئے

دادی گھر میں کیوں تنہا ہے دیکھ تو

عادل مارہروی کے بعض اشعار تو استادان فن غالب اور اقبال کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ گویا ایک طرح سے انھوں نے تخلیقی بازیافت کا عمل انجام دیا ہے۔ کہیں فکر و فلسفہ، تو کہیں موضوعات اور معانی کا بہاؤ ان شعری اور فکری انسلاکات کا پتہ دیتے ہیں۔ تخلیقی بازیافت یا توارد معنی کا یہ عمل ادب کی شریعت میں ہمیشہ سے جائز رہا ہے۔ مابعد جدید نظریے کی رو سے ماقبل میں تشکیل پانے والے ہر متن کی تشکیل نو بعد کے زمانے میں ممکن ہے۔ اس سے عادل مارہروی کی شاعرانہ عظمت و رفعت پر حرف نہیں آتا، کیوں کہ مابعد جدید نظریہ سازوں نے قدیم متون پر نئے متن کی تشکیل کو جائز قرار دیا ہے، اگر تخلیقی بازیافت کے اس عمل کو ادب کی شریعت میں ناجائز قرار دے دیا گیا، تو ہمیں بہت سے نئے متون پر خط تنسیخ کھینچنا پڑے گا۔

کلام سراج لکھنوی پر انھی حوالوں سے گفتگو کرتے ہوئے اپنے مضمون شعلۂ آواز (مشمولہ آج کل) جنوری ۱۹۶۳ء میں مالک رام نے لکھا ہے:

''یہ حقیقت ہے کہ بہت کم ایسے مضمون ہوں گے، جو تلاش سے متقدمین کے ہاں نہ مل جائیں۔ اس لیے کمال کا معیار اسی میں ہے کہ کسی جدید شاعر نے (اور ہر شاعر اپنے زمانے میں جدید ہی ہوتا ہے) کسی پرانے مضمون کو کس نئے آہنگ اور لب و لہجے میں بیان کیا یا اپنے تخیل کے زور سے اس کا کون سا نیا پہلو نمایاں بیان کر دیا''۔

اس مجموعے کی بعض نظموں پر منظوم افسانوں کا گمان گزرتا ہے۔ ''دل''، ''ماں''،''میں''، ''ہم''، ''موسم''، ''سپنا''، ''میں اور وہ'' اور فیصلہ وغیرہ ایسی ہی نظمیں ہیں، جن میں عادل کے اندر کا شاعر پس منظر میں چلا گیا ہے اور ان کے اندر کا افسانوی انسان زیادہ ابھر کر سامنے آیا ہے۔ عادل حیات نے حیات و کائنات کے حقائق اور روزمرہ کے مسائل کی تفہیم کو سہل ممتنع بنا کر پیش کیا ہے۔ مضامین بلندی کے اعلیٰ معیار پر فائز ہیں، لیکن ان مضامین کو جن الفاظ کے ذریعے انھوں نے ادبی تجربے کی شکل دی ہے، وہ سادگی، شستگی، خلوص، متانت اور سنجیدگی میں اپنی مثال آپ ہیں۔ سچ کہا ہے علامہ اقبال نے:

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور، مجاہد کی اذاں اور

عادل کی شاعری کے تمام ابعاد اور فکر و نظر کے سارے زاویوں کا ان چند سطروں میں احاطہ کرنا ممکن نہیں۔ نہ ان کیفیات اور احوال کو الفاظ کا پیرہن بخشنا ممکن ہے، جو ان کے شاعری کے مطالعے کے بعد ایک غیر جانب دار قاری اور تجزیہ کار کے دل و دماغ پر مرتب ہوتے ہیں۔ ان کی غزلوں اور نظموں کے دریچوں میں غور کرنے سے معانی و مفاہیم کے نئے در وا ہوتے ہیں۔ بس یہی دعاء ہے کہ ان کا شعری سفر برابر جاری رہے اور الفاظ و معانی کی دنیا میں نئے مضامین اور موضوعات کا مبارک اضافہ ہوتا رہے۔

ہر لحظہ نیا طور نیا برق تجلی

اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

داستان میری

ضلع ایٹہ کے کسی مقام پر ایک انگریز نے اپنے شکاری کتے کو لومڑی پر دوڑایا تو لومڑی پلٹ کر کتے پر دوڑ پڑی۔ دیکھنے والوں نے کہا۔''مار ہرایات'' زبان و بیان سے گذرتے ہوئے ''مار ہرایات'' ''مار ہرایات'' ہوگیا جو میرا وطن ہی۔

وہ جوانی کے دن تھے، ایک کُل ہند مشاعرے میں ایک بزرگ شاعر کا کلام سنتے ہوئے میں نے داد دی۔''سبحان اللہ، کیا خوب کہا ہے''۔

وہ بولے۔''ذرہ نوازی ہے آپ کی۔'' میں نے برجستہ کہا، اس میں کیا شک ہے۔ مشاعرے کے اختتام تک وہ بار بار مجھے اس طرح دیکھتے رہے کہ مجھے اپنی شائستگی پر شک ہونے لگا۔ مشاعرہ ختم ہونے پر زیب بریلوی نے میرا تعارف کراتے ہوئے بزرگ شاعر سے کہا۔''یہ افسانہ نگار عمر عادل مارہروی ہیں'' بزرگ شاعر نے چند لمحے مجھے اس طرح دیکھا جیسے مجھ میں کسی اور کو ڈھونڈ رہے ہوں اور پھر لپک کر مجھے بازوں میں لیا، سینے سے بھینچ کر زار و قطار رونے لگے۔ میں حیران، محفل دم بخود کہ یا الٰہی یہ ماجرہ کیا ہے۔ پھر انہوں نے کانپتے جسم اور ہچکیوں پر قابو پایا، روندھے گلے سے بولے۔''صاحبزادے تم تو میرے لیئے'' تبرک ہو، احسن مارہروی میرے استاد تھے'' یہ بزرگ شاعر ابرار گنوری تھے پہلی مرتبہ مجھے اپنے مارہروی ہونے پر فخر ہوا اور پہلی بار جانا کہ شعر تو ہر اُردو داں کہہ سکتا ہے اگر صاحب ذوق ہو مگر شعر کہنے والا ہر شخص شاعر نہیں ہو سکتا شاعری کے لیے تو کچھ ایسا دل خاص ہوتا ہے جو ابرار گنوری کے آنسوؤں میں ٹپکا تھا اور جو جگر مراد آبادی کے سینے میں دھڑکتا تھا کہ جیب سے پرس نکالتے پاکٹ مار کا ہاتھ اس لیے نہیں پکڑا

کہ وہ شرمندہ ہو جاتا۔

میرے وطن مارہرہ کا ایک پتہ اور بھی ہے۔ آپ کو کہیں پر آم، امرود یا بیروں کی کچھ الگ سی مہک آئے تو اس مخصوص خوشبو کا پیچھا کریں، آپ مارہرہ پہنچ جائیں گے۔

آپ کو روحانیت کے چراغ کہیں جلتے نظر آئیں تو روشنی کا سفر کرتے ہوئے آپ مارہرہ آجائیں گے۔ ریلوے اسٹیشن سے، گھنے درختوں کے سائے میں بل کھاتی سڑک آپ کو مارہرہ کی دہلیز درگاہِ عالیہ لائے گی جہاں اولیا خواب عدم میں ہیں۔ یہیں پر بڑے سے مکان سے لگی، گھاس اور بانسوں کی سوامی کٹیا، ہوا کرتی تھی۔ اردو، ہندی اور دیہاتی زبان کے رسوں کو گھول کر، زندگی کی سچائیوں کی شاعری کرنے والے ''سوامی مارہروی'' کی محفلیں اسی کٹیا میں جما کرتی تھیں، آپ ان کے مجموعہ کلام ''سوامی درشن'' میں ان کا درشن کر سکتے ہیں۔

آج کے مشہور ادیب سید محمد اشرف بھی اسی درگاہ عالیہ کے ماحول سے اُبھرے ہیں عارف مارہروی جیسے مشہور افسانہ نگار کو بھی اسی مارہرہ کی آب ہوا نے پالا پوسا ہے۔

اسی درگاہ عالیہ سے آگے وہ علاقہ ہے جہاں زبیری گھرانوں کی حویلیاں ہوا کرتی تھیں۔ جہاں کی گلیوں میں میرا بچپن کھیلتا تھا۔

تقسیم وطن کے بعد یہاں کے مکین ہجرت کر گئے، حویلیاں دم بخود کھڑی دیکھتی رہ گئیں، نہ سیاست کی گرم ہوا چلی نہ آگ و خون کا کھیل ہوا پھر حویلیاں ڈھیرے ڈھیرے کھنڈرات میں بدل گئیں۔ میرے بچپن کا مارہرہ، طیش مارہروی، احسن مارہروی، صدیق مارہروی کا وطن، وہ قصبہ جس کے علم و ادب کے ماحول سے تعلق رکھنے والے اپنی تہذیب، زبان اور لب و لہجے سے پہچانے جاتے تھے، حویلیوں کے کھنڈرات میں دفن ہو گیا۔ نئے مکان، بازار اور سڑکیں اُبھر آئیں مگر مارہرہ ڈوب گیا۔

پُرانی نسلوں کے کتنے ہی راز کھولتے ہیں
کوئی سُنے تو یہ دیوار و در بھی بولتے ہیں

سُنا ہے وہ وقت بھی تھا کہ مارہرہ میں کوئی اسکول نہ تھا۔ تعلیم گھر پہ ہوتی یا علی گڑھ جانا پڑتا تھا۔ تعلیم کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھتے ہوئے زبیر گھرانوں نے جو دو اسکول کھولے ان میں میرے والد کا بڑا ہاتھ تھا، جوانی سے ضعیفی تک کی عمر انہیں سے وابستگی میں گذاری تھی۔

شمیم فاطمہ نسواں اسکول سے جڑی ایک انوکھی اور دلچسپ بات یہ رہی کہ یہاں ایک ماں نے اپنی پہلی اولاد کے ساتھ درجہ اول میں داخلہ لیا۔ یہ ہم جماعت ماں بیٹی جن کا بڑا چرچہ رہا میری امی اور سب سے بڑی بہن عائشہ خاتون تھیں، تقسیم ہند کے بعد بدلے حالات میں یہ اسکول تو بند ہو گیا مگر لڑکوں کا اسلامیہ مکتب آبا کی دیکھ بھال میں قائم رہا، اس کا قد بڑھتا گیا اور آج منا لال گلزاری لال ہندو مسلم انٹر کالج کی شکل میں ہے۔

میں نے ابا کو اسی اسکول کے دفتر میں دیکھا، اور جب وہ ریٹائر ہوئے تو میں نے انہیں اس بچے کی طرح اداس دیکھا جس کا واحد کھلونا جس سے وہ ہمیشہ کھیلتا رہا، اس سے لے لیا گیا ہو۔

اور تقریباً تمام عزیز واقارب ہجرت کر گئے تھے، تعلیم کا ذریعہ محدود تھا تو امی مع سب بچوں کے بریلی منتقل ہو گئیں مگر ابا نے تو ریٹائر ہو کر بھی مارہرہ نہیں چھوڑا، وہ وہاں بڑی مقبولیت، عزت اور وقار کے ساتھ جیتے تھے وہیں کی آب و ہوا میں ہی اُن کی زندگی اپنے رنگ میں رہ سکتی تھی، بہت نرم خو، بہت صابر اور صاحب ذوق تھے، تلاوت مطالعہ، شاعری اور تعلیمی سرگرمی ہی اُن کا مشغلہ تھا۔

ابا کہتے تھے انہیں یاد نہیں کبھی کوئی نماز خطا ہوئی ہو ان کی پیشانی پر چمکتا بڑا سا سیاہ چاند، اس کا گواہ تھا جو ۱۵؍ جولائی ۱۹۷۵ء کو مارہرہ کی جامع مسجد کے کچے صحن کے ایک گوشے میں ڈوب گیا جیسے انہوں نے اپنے آخری گھر کے لیے منتخب کر کے مولسری کا پیڑ لگا رکھا تھا۔

ہم بہن بھائیوں کو شعر و ادب کے شعور کی جو روشنی ملی اس کی پہلی کرن ابا کے ذوق ادب ہی نے عطا کی تھی مگر اس روشنی کو طویل سلسلے میں بدلنے والی امی تھیں جن کی اسکولی تعلیم کا سلسلہ اس وقت کے مڈل اسکول کے سرکاری بورڈ کا امتحان پاس کر کے ٹھہر گیا مگر علم کا سلسلہ جاری رہا۔

امی، غالب کے شاگرد غلام بسملہ کی بھتیجی کے ''خزانے'' سے ہمیں اقبال کی بانگ درا، بال جبریل اور دیوان غالب کے ساتھ شاہ نامۂ اسلام، سیرت رسولؐ، صحابہ کی حیات اور تاریخ کی بہت سی کتابوں کے ساتھ خستہ کاغذات میں غالب کا خط بھی ملا تھا۔

بڑا اچھا ماحول تھا، روزانہ آنے والے اخبار سے سیاسی اور سماجی موضوع ملتے مذہب اور سماجی معاملات پر باتیں ہوتیں، مشاعروں کے دیوان سے شعر منتخب ہوتے رات کو بیت بازی کی محفل جمتی۔ مختلف معاملات پر بحث چھڑ جاتی تو آخر کار ان کے عدالتی حکم، پر بند ہوتی۔ زندگی کے نرم گرم راستے پہ،

بڑے حوصلے کے ساتھ آٹھ بچوں کی تعلیم وتربیت اور شوہر سے رفاقت کی ذمہ داری اُٹھائے عمر کے آخری پڑاؤ پر تھکنے لگیں تو اپنی آبلہ پائی کو ایک نظم کے رنگ میں ہمارے ذہنوں پہ چھوڑ گئیں۔

وہ نرم دل مگر آمرانہ مزاج کی حامل تھیں، ہر کوئی ایک حد تک اختلاف کے بعد ان کے سامنے سرِتسلیم خم کر دیتا مگر میں اختلاف رائے پر ٹکا رہتا انہیں ہر معاملے میں اپنے ہی فیصلے پر عمل کرنے کے سبب لغزشیں بھی ہوئیں صدمے بھی پہنچے۔

صاحبِ فراش ہوئیں تو میں نے بھی ہر بات پہ سر خم کرنا بہتر سمجھا، بستر مرگ پہ ایک ضدی بچی کی طرح وہ میری گود میں رہیں۔ ایک دن ٹوٹتی کمزور آواز میں انہوں نے عورت کی فطرت کا بہت خوبصورت پہلو ہمارے لیے ایک بہت نازک راز کی طرح کھولا بولیں۔'' عمر، تم نے اکثر اپنی مرضی چلا کر مجھے پریشان کیا مگر میں تم سے خوش ہوں، کوئی تو تھا ایسا، تمہارے باپ نے تو ہمیشہ میں نے جو کہا مان لیا کبھی مجھ پہ اپنی مرضی چلائی ہی نہیں''۔

قدرت نے مرد کو قوام بنایا، عورت کی فطرت کو اُس کی پناہ، تحفظ اور کسی حد تک حاکمیت میں ہی فطری تسکین حاصل ہوتی ہے ایک ایسی تسکین جو بچہ ماں کے بازوں میں آ کر اور اس کی انگلی پکڑ کر چلتے ہوئے محسوس کرتا ہے، اپنی فطرت کے اس تقاضے کو، بہت سی عورتوں کی طرح امّی نے بھی نہیں سمجھا تھا اور جب سمجھا تو ایک تشنگی کا احساس ہوا جو اس دن ہمارے سامنے رکھدی۔

عورت کی نفسیات کے اس بہت خوبصورت اور نازک پہلو پر میں نے کئی افسانے لکھے اس پہلو کا ایک دوسرا عکس آپ کو میری نظم ''میں'' میں نظر آئے گا۔

ہم بہن بھائیوں نے ماں باپ سے جو ذہنی رنگ پایا، گھر کے ماحول نے جس کو گہرا کیا اور جس طرح امّی ابا نے ہماری ذہنی کاوشوں میں دلچسپی لے مر حوصلہ بڑھایا اسی نے بھائی صاحب کو افسانہ نگاری اور ناول نگاری کی دنیا میں اختر عادل روپ کی حیثیت سے ایک مقام دیا، ان کے افسانوں اور ناول ''اندھیرے'' اور'' جانے والے'' نے جو مقبولیت حاصل کی اسی کی وجہ سے ڈاکٹر قمر رئیس، احمد جمال پاشا، اقبال مجید، اقبال فرحت اعجازی، سوامی مارہروی اور دلاور نگار جیسی ہستیوں نے گھر کی ادبی محفلوں کو زینت بخشی اگرچہ ان محفلوں میں تب میری حیثیت ایک 'ویٹر' یا چلم بردار کی تھی مگر اسی خدمت گزاری نے میرے ذہن کو جلا عطا کی۔

کھلونا جیسے بچوں کے رسالوں میں نظمیں اور کہانیاں لکھنے کے بعد جب میں نے افسانہ نگاری شروع کی بھائی صاحب نے ٹوکا---''اپنی تعلیم پر ہی دھیان رکھو''۔

مجھے پتہ ہے شائع ہونے سے پہلے انہوں نے میری کوئی کہانی نہیں پڑھی ،مگر یہ پتہ نہیں کہ گھر پہ آنے والے بہت سے مقبول ماہناموں میں سے شائع ہوئے میرے افسانوں کو پڑھ کر کیا رائے قائم کی۔ جب میں 'شمع' بیسویں صدی'، 'راہی'، 'بانو' اور معیار، جیسے بڑے ماہناموں میں سامنے آیا۔ ہمدرد ٹریسٹ کے کل ہند افسانوی مقابلے میں رام لال اور رضیہ سجاد ظہیر کے ساتھ انعام حاصل کیا اور بی بی سی لندن کے دو عالمی افسانوی مقابلے میں دوسرا اور تیسرا مقام پایا تو بھائی صا حب نے مجھے تسلیم کرلیا۔ علی گڑھ میں ڈاکٹر اختر انصاری نے ان سے پوچھا۔

''یہ عمر عادل مار ہروی کون ہیں میں نے ان کا افسانہ ''نقوش'' (لاہور) میں پڑھا، اچھا لگا، یہ بتاتے ہوئے میں نے ان کے لہجے میں خوشی محسوس کی''۔

گھر کے اس ماحول سے رنگ پکڑ کر بہن ثریا رحمان نے افسانوی دنیا میں قدم رکھا اور کنیز شبیر کا جوش ملیح آبادی اور فراق گورکھپوری جیسی شخصیات سے قلمی رشتہ رہا۔ چھوٹے بھائی ضرار عادل (مرحوم) نے اس لب و لہجہ میں شاعری کی۔

ہم اپنے مطلب کو کھو چکے ہیں
اما بیلوں کے لشکر ہو چکے ہیں

اردو کے رسائل میں شائع ہوتے رہے افسانوں کے ترجمے ہندی کے مقبول رسائل میں بھی آتے رہے اور ریڈیو اسٹیشن سے نشر بھی ہوتے رہے، ناول 'خالی ہاتھ' نے بھی کافی توجہ حاصل کی اور پھر میرے افسانوی قلم کا سفر سست ہو گیا اور اِس کی بڑی وجہ میری حد سے گذری حساس مزاجی تھی جس نے ذہن اور جسم کو نڈھال کر دیا۔

امّی ابا ہی نہیں اور بھی کیسے کیسے شفیق بزرگوں کے چہرے تھے جنہیں اپنے ہاتھوں سے خاک نشیں کرنا پڑا۔ کیسی چاہنے والی نہیں تھیں جنہیں مٹی کی چادر اڑھانی پڑی نڈھال ہوتے حساس ذہن اور ٹوٹتے سے جسم کے ساتھ چھوٹے بھائی کو زمین کی تہہ میں لٹایا تو پھر خود کھڑا رہنا مشکل ہو گیا۔ کیسی کیسی درد بھری باتیں، کیسی مجبوریاں اور محدود کرومیاں اس کے ساتھ جڑی تھیں کہ پھر کبھی دل و ذہن اس سے

نجات ہی نہ پا سکا۔ آساں کے لیے اس کی ہجرت نے میرے اندر ایک خلاء پیدا کیا اور اکیلا پن بھی۔

خود سے بہت دور اور بہت قریب بھی اَن گنت چہرے میرے دل و ذہن سے وابستہ تھے، دسیوں برس پہلے فرانس سے آزادی پانے کی جدوجہد میں شامل اُمی لڑکی کا چہرہ جس کے جسم میں شیشے کی ٹوٹی بوتل پیوست کردی گئی تھی اور برسوں بعد گجرات کی اس لڑکی کا چہرہ جس کی کوکھ کو چاک کر کے بچے کو شعلوں میں ڈال دیا گیا تھا۔

ان میں فلسطین، یوگوسلاویہ، رومانیہ، مصر افغانستان، عراق اور افریقی مسلم ممالک کے ان لاکھوں افراد کے چہرے تھے جو اپنا وطن، اپنی آزادی کا حق اور اپنے مذہبی عقائد کے مطابق جینا چاہتے تھے۔ چوراہوں، بازاروں، ہوٹلوں اور ٹرین وغیرہ میں دھماکوں میں بکھر جانے والے لہولہان چہرے جن کی کوئی خطا ہی نہ تھی اور میرے لیے بہت تکلیف دہ تھے وہ چہرے جو عبادت گاہوں میں دھماکوں سے پارہ پارہ ہوگئے اور افریقہ اور ایشیا کی زمین پر بھوک، بیماری اور تباہ حالی سے لاغر جسموں پر قبر کے کتبے کی طرح لگے ضعیفی، جوانی اور بچپن کے بے جان سے چہرے۔

یہ چہرے میرے ذہن میں نیزوں کی طرح پیوست ہوتے رہے اور میں انہیں افسانوں میں سمیٹ کر دل ہلکا کرتے کرتے ذہنی طور پر نڈھال ہونے لگا یہاں تک کہ ڈاکٹر کی ہدایت پر میں نے ریڈیو اور T.V (ٹی وی) بند کر دیا۔ اخبار لپیٹ کر رکھ دیا، مگر میں ان چہروں سے کیسے نظر بچا تا جو میرے آس پاس تھے۔ اس راہ سے گریز ممکن تھا جس پر حادثہ زدہ لاش پڑی ہونے کی خبر مل گئی مگر اس پریشان بدحال چہرے سے کیسے بچتا جو سڑک پہ قریب سے گذرا تو لگا وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا۔ میں ٹھہر گیا اس کے قریب گیا، پوچھا، کچھ پریشان لگتے ہو کیا بات ہے؟ بہت جھجکتے ہوئے وہ اجنبی بولا گاؤں سے مزدوری کرنے آیا تھا مگر کوئی کام نہیں ملا۔

اُن عورتوں کے چہرے میرے لیے کتابیں تھے جو مجبوریوں سے گھری ہوئی عمر کی ڈھلان پر کسی عمر دراز مرد سے بیاہی جاتے ہیں کئی بچوں کی ماں کہلائی جانے لگیں۔ وہ جن کی ازدواجی زندگی کے خوبصورت خوابوں کو اذیت ناک تعبیر ملی اور وہ بھی جو بازار بن گئے سماج میں ایک گھر، بچے اور شریک حیات کا انتظار کرتے ہوئے بوڑھی ہوگئیں۔

محرومیوں سے سیاہ چہرے، اُداسی چہرے میری کمزوری بنے اور پھر وہ دن بھی دیکھنا پڑے جن کا

گمان نہ تھا۔ ٹوٹتے بکھرتے رشتے ناطے۔ خون کا پھیکا پڑتا رنگ، محبت، ہمدردی، خلوص، ایثار کی خوشگوار یوں کو گرم جھونکوں میں بدلتے اور قربتوں میں فاصلوں کو اُبھرتے دیکھا۔

منظر تو یہ کہ رشتے ہی رشتے ہیں آس پاس
احساس یہ کہ بھیڑ میں اپنا نہیں کوئی

سماج ہر دور میں بدلا ہے اور بدلتا رہے گا، ہوتا یہ رہا ہے کہ ہر نئے زمانے نے ماضی کو ہاتھ سے جانے نہ دیا، مگر گزشتہ چھ دہائیوں میں ماضی کی روایات، تہذیب زبان اور سماج کی اخلاقی حدود اور مذہب کی اعلیٰ ترین قدروں کو جس طرح تیزی سے پامال کیا گیا ویسا شاید پہلے نہ ہوا ہو۔

ہمیں تو اپنی آسمانی کتاب اور ہادیٔ اعظم سے اعلیٰ ترین تعلیم وتربیت ملی تھی۔

ہم بھی بیچ آئے ہیں منڈی میں روایات اپنی
اجنبی آئے تھے شانوں پہ خزانے لے کر

آزادی، ترقی، پیدائشی حق، برابری، کھلا ذہن اور اپنے انداز سے رہنے سہنے کا حق۔ مغربی ہوائیں یہ خوبصورت نعرے لے کر آئیں تو بڑے فخر، جوش اور مسرت کے ساتھ ہم نے اپنی زبان، تہذیب، اپنی پہچان کو ہوا میں اُڑا دیا۔

آندھی یہ گرم ریت کی آئی کدھر سے تھی
ٹھنڈی ہوائیں میرے سمندر سے لے گئی

یہ تمام اذیت ناک مناظر بھی میرے نڈھال ذہن پر نیا بوجھ بنتے چلے گئے۔ میرا خیال ہے افسانے اور شعر میں بڑا فرق الفاظ کی تو راد اور ان کے استعمال کا بھی ہے۔ شعر ذہن میں یوں اُترتا ہے جیسے برگِ گل پہ شبنم کی بوند گری ہو یا آنکھ سے آنسو ٹوٹا ہو۔ ہر شعر کے مکمل ہونے پر مجھے وہی تسکین حاصل ہوئی جو افسانے کی تکمیل سے ہوتی رہی۔ جن چہروں اور مناظرِ قوم کا ذکر کیا ہے انہیں اشعار میں سمیٹتے ہوئے بھی دل ہلکا لگتا ہے۔

پتہ نہیں شاعری محبت کی ایک صنف ہے یا محبت شاعری کی مگر اتنا ضرور سمجھا کہ محبت زندگی کی ضرورت بھی ہے اور حقیقت بھی، یہ محبت ہی تھی کہ خالق کل نے اپنے محبوب کے لیے کائنات تخلیق کی محبوبؐ نے کائنات کو محبت ہی کا پیغام دیا پیاسی زمین کو پانی پلاتے بادل، تتلی کو رس پلاتے پھول اور بچے

کو دودھ پلاتی ماں اور ان کے لیے محنت کے پسینے میں بھیگا مرد کا بدن یہ اور دوسرے تمام خوبصورت مناظر محبت کی خوشبو سے مہک رہے ہیں اور اسی خوشبو کو آپ میری شاعری کی اِس کوشش میں محسوس کریں گے۔

فصلِ گل، بادِ صبا، شام و سحر، ماہ ونجوم
ہم ترے کوچے سے کیا گذرے کہ شاعر ہو گئے

اپنے پرائے چہروں کے ساتھ محفل سے تنہائی تک کے سفر میں نڈھال ہوا تو کبھی کبھی یہ خیال بھی آیا کہ دردمندی اور چارہ گری کے اس شوق میں خود کو نظرانداز کئے رہتا ہوں، تو حق تلفی کی اور یہ سزا ہے کہ نڈھال جسم دواؤں کا محتاج ہوا۔

یہ دردمندی بڑی چیز ہے مگر اے دل
تجھے خبر ہے مرے جسم وجاں پہ کیا گذری

دوسری حق تلفی یہ ہوگی کہ میں اس چہرے کو نظرانداز کردوں جو زندگی کی تپتی دوپہر میں موجِ بادِ صبا کی طرح داخل ہوا اور اپنی خوشبوں سے مجھے ایک تازگی کا احساس کرادیا۔ جذبات کی پوری سچائی کے ساتھ ہمیں لگا کہ ہم جانے کب سے ایک دوسرے کی تلاش میں تھے، جلد ہی احساس ہوا کہ ہم ایک دوسرے کی ضرورت ہیں۔

میں کہ پیاس کی کوکھ کا جنما دھوپ کی گود کا پالا
شبنم بن کر وہ یوں برسی سب جل تھل کر ڈالا

محض کاروبارِ شوق کی بات نہ تھی، ہمارا راستہ بہت سیدھا اور سہل تھا منزل آسان تھی، کوئی رہزن تھا نہ رقیب روسیاہ دلوں کو عقل کی پاسبانی بھی حاصل تھی اور راہ میں سایہ دار درخت بھی تھے۔ مگر یہ تمام آسانیاں ہی کبھی کبھی ذہن کو مشکل میں بھی ڈالتیں، وہم اور اندیشے ستانے لگتے، ایک انجانا سا ڈر جو بظاہر بے وجہ تھا مگر رہتا تھا۔

مجھ کو ڈر ہے میں خود کو کھودوں گا
تم میرے آس پاس میں رہنا

اور پھر غیر متوقع موڑ سامنے آ گیا۔ دل پہ صدمہ تو گذرا، دل نے ضد بھی بہت کی مگر حالات کی

سچائی سے بچ کر نکلنا ممکن نہیں تھا ہم نے حقیقت کو تسلیم کیا۔

آزاد کوئی بھی نہیں سمجھے اگر کوئی
سب اپنی زندگی کے تقاضوں میں قید ہیں

ایک جان لیوا فیصلہ دل کے انکار کے باوجود ہمارے بس میں تھا سو بہت بھاری دل کے ساتھ ہم نے کیا مگر اس کے بعد کی بات بس سے باہر تھی۔

تمام عمر رہا میں بھی نامکمل سا
جیا ہے وہ بھی تو اپنا ادھوراپن لے کر

سفر کا ایک حصہ تمام ہوا مگر سفر جاری ہے۔ وہ میری شاعری میں گامزن ہے اور محفل سے تنہائی تک تمام بھول بھلیوں میں جہاں جہاں صحرا میں سایۂ دیوار نظر آئے آپ وہاں وہاں اسے دیکھیں گے۔

مارہرہ کے ادبی مزاج عمر عادل سے جودھپور کے ایک اجنبی گھرانے کی لڑکی کو منسلک کیا گیا تو یہ اس کا ثبوت ہے کہ ازدواجی رشتے صرف آسمان پر طے ہوتے ہیں۔ نویں کلاس میں زیر تعلیم اس لڑکی نے میرا ہاتھ تھاما تو سب سے پہلے میں نے اردو کا قلم دے کر ا، ب، ت سکھایا، سال بھر بعد پھر نویں کلاس میں داخل کیا اور انٹرمیڈیٹ تک اردو بطور مضمون ساتھ رہی، ایسا تو نہیں ہوا کہ وہ اُردو داں بن گئی، مگر یہ ضرور ہوا کہ نئی تہذیب، نئے ماحول اور اردو کے لب و لہجہ میں مکمل طور سے ڈھل جانے میں یہ ''اردو شناسی'' بڑی مددگار رہی، سیدہ ملکہ کی اردو شناسی اور شعور نے میرے ذہن کی روانی کو گھر کا سازگار ماحول دیا ورنہ ہمارے درمیان قربتوں میں بھی فاصلے پریشان رکھتے۔

عمر کا بڑا حصہ درس و تدریس کو روزگار اور مشغلہ بنائے گذارا اور اب اسی کی زد میں بیٹیوں کے چھوٹے چھوٹے بچے الیف الینا عادل، اطیب عادل، صراط عادل اور عافیہ عادل ہیں۔ یہی میرے کھلوتے بھی ہیں۔ کوشش کر رہا ہوں کہ ان کے معصوم ذہنوں کو اردو کی ایسی خوشبو سے مہکادوں جسے آگے چل کر اردو دنیا میں محسوس کیا جائے کل ان کے نام شعر وادب کی دنیا میں سن کر میری بھانجی اسنیٰ بدر کو وہی خوشی حاصل ہو جو آج اُس کا نام اور کلام رسائل میں دیکھ کر مجھے ملتی ہے اور چراغ جلتے رہنے کا یہ سلسلہ چلتا رہے جسے امّی ابا نے روشن کیا تھا آمین۔

عمر عادل

جامع مسجد قلعہ بریلی (اتر پردیش)

آوے کا آوا خراب ہے

اختر عادل روپ، افسانوی دنیا میں اپنے وقت کا مقبول افسانہ نگار جس نے اردو ادب کو نا صرف بہترین افسانے دیئے اپنے ناول ''اندھیرے'' اور ''اجالے'' سے باذوق لوگوں کو حیران بھی کر دیا تھا۔

عمر عادل مارہروی جن کے افسانے اردو، ہندی کے معیاری اور مقبول رسائل میں نظر سے گذرتے اور ریڈیو سے نشر ہوتے رہے۔

ضرار عادل مارہروی جن کے افسانوں اور شاعری نے باشعور حضرات کو بہت متاثر کیا، ان کے قومی جذبات اور مومنانہ صفات کا اندازہ ان کی شاعری سے کرتے ہوئے اس کا صدمہ بھی ہوتا ہے کہ ان کی زندگی نے وفا نہ کی ورنہ قومی شاعری میں قابل اضافہ جاری رہتا۔

بہن کنیز شبیر کے شعر و ادب کے ذوق کا اندازہ جوشؔ ملیح آبادی اور فراقؔ گورکھپوری جیسی عظیم شخصیات سے ادبی اور سماجی معاملات پر خط و کتابت سے ہوتا ہے، اسنیٰ بدر نام سے جو شاعرہ آج کے ادبی رسائل میں نظر آتی ہے وہ ان کی بیٹی ہے اور شجاع السلام زبیری ان کا بیٹا ہے جسے بی بی سی کے شعری مقابلہ میں اولیت حاصل ہوئی۔ سردار حسن زبیری ان افراد کے والد بزرگوار تھے، عمیق مطالعہ اور شعر و ادب سے دلچسپی رکھنے والی مارہرہ کی پُر وقار شخصیت کے حامل اور تعلیم و تدریس کے معاملات میں سرگرم رہتے بہت مقبول تھے۔

والدہ خلیق فاطمہ زبیری بریلی کے اس گھرانے سے متعلق تھیں جہاں غالب کے شاگرد غلام بسملہ اپنے وقت کے اچھے شاعر گذرے ہیں، محترمہ خود بھی مطالعہ اور شعر و ادب کی دلدادہ تھیں یہ ان کا

ذوق ہی تھا جس کے سبب گھر کے ادبی ماحول سے ادیب اور شاعر اُبھر سکے۔

ان افراد سے متعلق گفتگو کے دوران میں نے جب سید اشرف کو بتایا کہ اپنے وقت کی بہترین افسانہ نگار ثریا رحمان بھی ان بھائیوں ہی کی بڑی بہن ہیں تو ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔'' باپ رے باپ آوا کا آوا خراب ہے''۔

جی ہاں میں اسی خرابے کا ذکر کر رہا ہوں جس سے میرا قریبی تعلق رہا ہے ضرار عادل میرے بڑے بھائی عذادار رضوی مرحوم کے دوست تھے بعد کو یہ دوستی مجھے وراثت میں مل گئی ان کے بھائی عمر عادل مارہروی کی شاعری پر یہاں تبصرہ مقصود ہے جن کے شاعر ہونے کا راز ہم پر بہت دیر سے افشاں ہوا۔

میں اور ضرار انہیں بھائی جان کہتے اُن کے ہمارے درمیان ایک بے تکلفی بھی رہی جس میں ہماری بصارت کو کم اور اُن کی دریا دلی کو زیادہ دخل تھا اگر چہ اختر عادل روپ سے ہم بدکتے تھے، ان کی شخصیت کے گرد عظمت کا ایک حصار تھا جس کے سبب ان کے سامنے لب کشائی کی ہمت نہیں ہوتی تھی اس ڈر سے کہ ہم سے کوئی خطا نہ ہو جائے ، وہ بہت شفیق زندہ دل اور بڑے ادیبانہ اندازِ کلام کے مالک تھے ان کے سامنے بولنے سے زیادہ انہیں سنتے رہنا ہمارے لیے دلچسپ اور سود مند تھا۔

اب بات بھائی جان کی نہیں اُن شخصیت کی کرنا ہے جسے ادبی دنیا ایک افسانہ نگار کی حیثیت ہی سے جانتی تھی۔ہم ان کے افسانے پڑھتے رہے تھے بی بی سی لندن کے دو افسانوی مقابلوں میں ہندوستان سے انعام پانے والے وہ اکیلے ہی تھے یہ دیکھ کر ہمیں بہت خوشی ہوئی تھی۔

اس شخصیت نے اپنے لڑکپن میں ہی خود کو تسلیم کرا لیا تھا، ہمدرد فاؤنڈیشن کی طرف سے طبی موضوع پر کل ہند افسانوی مقابلے میں رام لال اور رضیہ سجاد ظہیر جیسے ادیبوں کے ساتھ انعام پانے والا یہ نوعمر افسانہ نگار آگے چل کر اپنے ناول'' خالی ہاتھ'' اور افسانوں کے ذریعہ مقبول ہوا۔

ان کے افسانوں میں سماجی مسائل اور انسانی نفسیات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی پڑتی تھی، ہمارے درمیان ان پر کھل کر بات ہوتی تھی اور انسانی نفسیات پر ان کی فنکارانہ گرفت پر مجھے حیرت ہوتی تھی۔ ہند و پاک اور دوسرے ممالک میں سیاست اور جنگی خون ریزی سے سماج میں پیدا ہونے والی صورت حال پر ان کی ہمیشہ نظر رہتی اور اس کے نتیجے میں انسانی زندگی کے لیے پیدا ہونے والے نتائج ان کے افسانوں کا موضوع بنتے تھے میں نے انہیں فسادات میں اپنی قوم کی تباہ حالی پر فکر مند اور افسردہ ہوتے پایا۔

قوم کی معاشی، تعلیمی اور معاشرتی صورت حال پر ان کی گہری نظر ان کے افسانوں میں نظر آتی تھی۔ سماج اور افراد کے ذہن کی گتھیاں کھولنے میں جس چابکدستی سے وہ کہانی کا تانا بانا بنتے اور کرداروں کو استعمال کرتے اسے دیکھ کر ان کے ذہن اور قلم کی روانی پر داد دینی پڑتی تھی۔ میں نے اُنہیں ضرورت سے زیادہ ہی حساس پایا اور لوگوں کے دکھ درد کو دل و دماغ پر لینے کی اس عادت کے سبب انہیں ذہنی تناؤ کا شکار ہو کر صحت گنواتے دیکھا، ان کا انداز فکر، حساس مزاج اور جذبات ان کے افسانوں میں جھلکتے ملے۔

یہاں عمر عادل مارہروی کی ذات، ماحول اور سوچ پر نظر ڈالنا اسی لیے ضروری سمجھا کہ جب ان کی شاعری دیکھی جائے تو اس میں ان کی سچائی بھی سامنے آئے اور فنکاری بھی کہیں کہیں تو ایسا لگتا ہے کہ شعر نہیں کوئی مختصر ترین افسانہ ہے۔

ہونٹوں پہ خاموش رکھے آنکھوں آنکھوں بولے ہے
چھت پر اک معصوم پرندہ اُڑنے کو پر تولے ہے

دیر تک اُس کی نگاہیں پاؤں سے لپٹی رہیں
دور تک اُس کی خموشی کی صدا آئی بہت

تازہ کرنے کے لیے زخم پُرانے لے کر
اس کے گھر جاتے ہیں ہم روز بہانے لے کر

ہم تو قیمت پوچھتے پھرتے رہے بازار میں
جیب خالی تھی تو ہر سودا ہمیں مہنگا لگا

ہر چند کہ افسانہ اپنے احساس اور سوچ کے اظہار کا ایک فن ہے مگر پھر بھی یہ ایک بیانیہ ہے اور بیان دوسرے کے سامنے دیا جاتا ہے جسے کلام نہیں کہا جا سکتا علم کے شیر حضرت علیؓ نے کہا تھا۔' کلام کرو تا کہ پہچانے جاؤ'۔ یہ کلام ہی ہے جو شخصیت کی پہچان بنتا ہے، میں نے بھی عمر عادل کی شخصیت کے ایک پہلو کو اسی سے پہچانا۔

ایک دن ایک خوشگوار حیرت سے واسطہ پڑا جب بھائی جان نے کہا۔ سردار میری یہ نظم پڑھو۔ مجھ پر حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، بھائی جان اتنے بگڑ جائیں گے اس کا تو کبھی گمان بھی نہیں تھا؛ لیکن اُن کو تو اب بیان نہیں کلام کرنا تھا، نظم پڑھ کر احساس ہوا کہ اب وہ مکمل ہوئے۔

سقراط نے معاشرے کی بدعنوانیوں سے نوجوانوں کو محفوظ کر کے راہ راست پر لے جانے کے لیے کلام کا طریقہ بھی اختیار کیا تھا، وہ آتے جاتے لوگوں کو راہ میں روکتا اور اُن سے مختلف سوال کر کے خود ہی جواب دیتا۔ اس کے کلام اور اندازِ کلام کے اثرات سے جب اقتدارِ وقت کو عوامی بغاوت کا خوف ہوا تو سقراط کو زہر کا پیالہ پلا کر خاموش کر دیا گیا۔ سقراط نے زہر پی کر آنے والی نسلوں کے ذہنوں کو شاداب کر دیا۔

معلوم نہیں کلام کی اس تاثیر کا پتہ عمر عادل کو کیسے چلا ہو سکتا ہے کہ انسانی نفسیات پر نظر رکھنے والی اُن کی اپنی فطرت کا تقاضہ ہو لیکن اُن کے اشعار سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اس طرز کلام سے اُنہیں وہ تسکین حاصل ہوئی جو افسانے کے ذریعہ بیان دینے سے نہ ہوئی ہوگی۔ اُن کا مشاہدہ مختلف جہتوں میں پھیلا ہوا ہے، فرد، معاشرت اور تصورِ حیات اور کائنات کے معاملات پر نظر ہے تو بندے اور خدا کے درمیان کا تعلق اور بشر کا بشر سے رشتہ بھی نگاہ میں ہے۔ ان کے نازک جذبات واحساسات اور مسائل، معاشرے کی حالت اور قومی بدحالی پر ان کے اشعار منظوم مکالمے محسوس ہوتے ہیں اور دکھاتے ہیں کہ یہ شخص فکر و نگاہ اور تخلیقی صلاحیت سے مالا مال ہے اور شاید حالؔی کے اس جواب کی تعبیر کا ایک عکس جو اُنہوں نے شاعر کو ایک مصلح قوم کے قالب میں ڈھلنے کے لیے دیکھا تھا۔

ان کی شاعری پر میرے خیال سے اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر اس سے انکار نہیں ہوگا کہ ان کی شاعری سماج اور فرد کا آئینہ ہے اور ایک راہ دکھانے کی کوشش بھی ہے۔

آخری موت، میرے علم میں آئی وہ پہلی نظم تھی جس سے مجھے ان کے شاعر ہونے کا پتہ چلا ' نظم ایک ایسی بھرپور شخصیت کا مرثیہ ہے جو ادھوری رہ گئی، یہ المیہ آپ کو سماج میں جگہ جگہ نظر آئے گا۔

سنو! یہ سچ ہے۔
سماعتوں پہ گراں تو ہوگا۔
کہ سچ یہی ہے۔

آپ نے دیکھا! سنو، تخاطب کا وہی سقراطی لہجہ ہے اور یہ پوری نظم ایک سچ کا بیانیہ ہے۔

تازہ سورج کا حلقۂ دار، چاند کے پیالے میں زہر، سنہرے خوابوں کے بکھرے ٹکڑوں پر چلنا اور ریشم کی ڈور کا شعلے پر لپٹنا خوبصورت محاکات ہیں ''اُداس آنکھیں'' بستر مرگ پر پڑی عورت کی اس

فطرت کا اظہار ہے جسے مامتا کہا جاتا ہے، یہاں معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی یہ فطری دولت صرف اپنی کوکھ سے جنم لینے والے بچوں کے لیے نہیں سبھی بچوں کے لیے ہوتی ہے۔ یہ نظم زندگی کے آخری وقت کے احساسات کو ہمارے دل تک پہنچاتی ہے۔

نظم 'معذرت' اور 'کانٹے' جو حدیث نبیؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بنیاد پر ہیں انسانی رشتوں کے قابل فکر پہلو سامنے لاتی ہیں'' دل'' اور'' ماں'' سماج اور فرد کی ایسی تصویریں جنہیں صاف کر کے سامنے لانا اس دور کی ضرورت ہے۔

'وہ لڑکی' ایک ایسی نظم ہے جو آج کے سماج کے ایک بہت عام ہو چکے مسئلے کی اِس حقیقی وجہ کو سامنے لاتی ہے جس سے لوگ نظریں چُراتے ہیں مگر جس کا انسانی فطرت سے گہرا کوئی تعلق ہے، یہ نظم دعوت فکر دیتی ہے اور بہت خاموشی سے مسئلہ کا حل بھی بتا جاتی ہے۔

ہر نظم سماج کا آئینہ ہے مگر'' میں اور وہ'' تو چونکا دیتی ہے۔ ایک بہت نازک مگر بہت تلخ سچ کو جس ہنرمندی سے سامنے لایا گیا ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ اس شاعر کے اندر افسانہ نگار اب بھی جاگ رہا ہے۔

نظم 'میں' عورت کی فطرت کے ایک بہت حیرت ناک پہلو کو اُجاگر کرتی ہے اور منظر موجودہ دنیا کا وہ منظر سامنے رکھتا ہے جو بہت بڑا مسئلہ ہے، بڑی مضبوط دلیل کے ساتھ اس مسئلے سے جڑے نظریے اور الزام کی حقیقت سامنے رکھتی ہے جو اسلام سے جوڑے گئے۔

عمر عادل کی سبھی نظمیں بڑی سچائی اور صاف گوئی کے ساتھ فرد سماج اور معاشرے کے قابل توجہ مسائل کو پیش کرتے ہوئے شاعر کے مشاہدے اور فکر و نظر کی وسعت کا پتہ دیتی ہیں۔

کائنات خالقِ کائنات اور مخلوق کے درمیان تعلق، زندگی اور بندگی اختیارات اور بے اختیاری کے معاملات پر اُن کی فکر و نظر پورے شاعرانہ لطف اور رنگ کے ساتھ حمد و نعت میں سامنے آتی ہے اور اُس دور کی عظیم اور مقدس ہستیوں کے حوالے سے ہمیں اپنے مرکز کی طرف آنے کی دعوت دیتی ہے۔

تمام فکر ونظر تیری ذات تک محدود
یقین بھی تیرا ہے وہم وگماں بھی تیرا ہے

ان تین اشعار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سیرت اور داعی رہنمائی کو کوزے میں دریا

بند کرنے کی طرح بیان کیا گیا۔

بس ایک ہی چراغ جلا تھا زمین پر
جس سے دیئے جلاتے رہے راہبر تمام
آپ کی ذات سے چلا لطف وکرم کا سلسلہ
آپ نے بحرِ بے کراں صحرا کے نام لکھ دیا
لمحوں کے ہم قدم بھی آپ صدیوں میں گامزن بھی آپ
وقت نے عرصۂ حیات آپ کے نام لکھدیا

صحابہ کرام کے کردار کی عظمت کس قدر شاعرانہ خوبی کے سامنے ظاہر ہوتی ہے:

ہمارے خاک نشینوں نے راز کھول دیا
کہ اِس زمین پہ کچھ آسماں بھی ہوتے ہیں
صحرا میں حوصلوں کا وہ منظر عجیب تھا
پرواز میں تھے طائرِ بے بال وپر تمام

زندگی اور موت کے فلسفے پر بہت کچھ کہا گیا مگر زندگی کی پوری کہانی کو عمر عادل ایک شعر میں جس قدر سادگی سے بیان کیا اس کا اپنا ہی لطف ہے۔

جینے اور مرنے کا کیا فلسفہ یارو، سیدھی سادی باتیں ہیں
جسم ایک تنکا ہے، عمر ایک دریا ہے، موت اک سمندر ہے

زندگی کی تمام تصویریں ہمیں ان کے یہاں ملتی ہیں اِس لیے اچھا ہو کہ میں اُن تصویروں کو بھی دیکھتا چلوں جن میں زندگی کے جمالیاتی رنگ ہیں۔

فصلِ گل، بادِ صبا، شام وسحر، ماہ ونجوم
ہم ترے کوچے سے کیا گذرے کہ شاعر ہو گئے

اور اس نفسیاتی پہلو کو کتنی خوبی سے پیش کیا ہے:

لب پہ خموشی، آنکھ سے باتیں جسم کے منظر سب خاموش
عُمر کے ڈر سے صحن دریچے دیوار ودر سب خاموش

اور محبت کے مرحلوں میں یہ احساس اور جذباتی گمان اور خوش فہمی کہ:

شب ہجر یار گذر گئی، مگر اس گمان کو کیا کروں
سر بام یہ جنبشِ پاسی تھی، کوئی تھا جو آ کے چلا گیا

غور فرمائیں کیا یہ وہ شاعری نہیں ہے جسے خسرو، ولی اور سراج دکنی سے لے کر ہمارے عہد تک سارے شاعر کرتے رہے اور جس کے بغیر ہماری ساری معاشرتی تہذیب بے رنگ و نور ہے۔

شبِ وصل یار نے رنگ و بو مرے جسم و جاں کو دیئے مگر
وہ جو لطف خواہشِ وصل تھا، وہ جو ہجر میں تھا، مزا گیا

ان کے یہاں محبت ہوس سے دور، محبوب کی جسمانی کشش سے نظر ہٹا کر اس کے اندر کی خوبصورتی کو تلاش کرتی ہے اور یہ بات ذرا نئی سی لگتی ہے۔

کسی دن تو ذرا کھُل کر مجھے مل
حصارِ جسم سے باہر مجھے مل

میری یہ تحریر عمر عادل کی شاعری کا احاطہ نہیں کرتی یہ تو تصورات اور کیفیات کا ایک خاکہ ہے جو ان کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے دل پہ گذری اس شاعری کا احاطہ کرنا میرے جیسے کم علم اور کم نظر کے بس کی بات نہیں بے ساختہ دل سے یہی دعا نکلتی ہے کہ بھائی جان کی عمر اتنی دراز ہو کہ وہ اپنے دل و ذہن میں جمع سارے رنگ ہمیں دے سکیں آمین۔

سردار ضیآء

حمد

مکاں بھی تیرا ہے اور لا مکاں بھی تیرا ہے
یہاں بھی تیرا ہے سب کچھ وہاں بھی تیرا ہے
ہر ایک فکر ونظر تیری ذات پر مرکوز
یقیں بھی تیرا ہے، وہم وگماں بھی تیرا ہے

اے خالقِ کُل تمام تر کاروبار تیرا
حدِ نظر تک ہر ایک سُو اختیار تیرا

تو سلسلہ میری زندگی کا چلانے والا
تو مجھ کو قطرے سے اک سمندر بنانے والا

تو دن چھپے نیند کے کفن میں لپیٹتا ہے
سحر کے ہوتے حیاتِ نو مجھ کو بخشتا ہے

تو ماہ و انجم سے شب کا چہرہ سنوار تا ہے
تو کہساروں پہ دھوپ چھاوں اُتار تا ہے

ooo

حمد

تو پیکرِ گُل میں رنگ و بو کا بسانے والا
تو طائرِ بے زباں کو نغمے سکھانے والا

قطار اندر قطار اُڑتے تیرے پرندے
فضائے نقش ونگار اُڑ تے تیرے پرندے

یہ دشت ومیداں کی دولتوں پر نشان تیرے
یہ بہتے دریا کی نعمتوں پر نشان تیرے

شجر شجر تیری رحمتوں کے چراغ روشن
یہ دانے دانے پہ قسمتوں کے چراغ روشن

یہ ذرّے ذرّے میں رزق کے کُہار پنہاں
یہ قطرے قطرے میں رحمتیں بے شمار پنہاں

ہوا کے جھونکوں سے باد بانوں کو باندھتا ہے
تو بھرے دریا کے بیچ رستہ نکالتا ہے

چراغ ہستی جلانے والا، بجھانے والا
تو آب ودانے کی ذمہ داری اُٹھانے والا

تو مجھ کو فکر ونظر سے کتنا نوازتا ہے
حیات کے سارے مرحلوں سے گذارتا ہے

میں اپنی فکرونظر کو بیمار کیسے کردوں
اے خالقِ کل میں تیرا انکار کیسے کردوں

ooo

حمد وثنا

اے خالقِ کائنات یہ شاہکار تیرا
حدِ نظرتک یہ چار سُو کاروبار تیرا
زمیں سے آسمان تک اختیار تیرا
میں ابنِ آدم نہ ہوسکا رازدار تیرا

میں کچھ نہیں تھا تو پھر بہت کچھ ہوا تو کیسے
میں ایک قطرے سے اک سمندر بنا تو کیسے
یہ سلسلہ میری زندگی کا چلا تو کیسے
میرا وجود وعدم سجایا گیا تو کیسے

ہزار کوئی مجھے پریشاں خیال کردے
ہراک قدم پر کھڑے ہزاروں سوال کردے
مگر کوئی ہے کہ جس کی قدرت کمال کردے
مرے تفکر کی وسعتیں لازوال کردے

جودن چھپے نیند کے کفن میں لپیٹتا ہے
سحر کے ہوتے حیات نو مجھ کو بخشتا ہے
ہر اک قدم پھر جو میری سانسیں سنبھالتا ہے
جو سارا دن کتنے مرحلوں سے گذارتا ہے

جو ماہ وانجم سے شب کا چہرہ سنوارتا ہے
قبائے شب سے سحر کا سورج اُبھارتا ہے
جو کوہساروں پہ دُھوپ چھاؤں اُتارتا ہے
جہاں کے سب حسین منظر نکھارتا ہے

جو پیکر گل میں خوشبوؤں کو بسا رہا ہے
جو اوس کے موتی شاخ گل پہ سجا رہا ہے
جو طائر بے زباں کو نغمے سکھا رہا ہے
جو پھول درپھول تتلیوں کو اُڑا رہا ہے

قطار اندر قطار اُڑتے حسیں پرندے
فضا کے نقش ونگار اُڑتے حسیں پرندے
یہ گوہر آبدار اُڑتے حسیں پرندے
یہ صورت آبشار اُڑتے حسیں پرندے

یہ ذرّے ذرّے پہ رزق کے کوہسار پنہاں
یہ ابر باراں میں شورش آبشار پنہاں
یہ قطرے قطرے میں رحمتیں بے شمار پنہاں
یہ موج در موج گوہرِ آبدار پنہاں

سمندروں سے جو کشتیوں کو گذارتا ہے
ہوا کے جھونکوں سے باد بانوں کو باندھتا ہے
جو بہتے دریا کے بیچ رستہ نکالتا ہے
جو نا خداؤں کے حوصلوں کو ابھارتا ہے

سُبک ہواؤں کو گرم آندھی بنانے والا
چراغِ ہستی جلانے والا بجھانے والا
وہ دھوپ چھاؤں میں مرنا جینا سکھانے والا
وہ آب دانے کی ذمہ داری اُٹھانے والا

یہ کوہ ومیدان ودشت میں بستیاں ہماری
ترے سمندر کو چیرتی کشتیاں جاری
فضائے ماہ ونجوم میں مستیاں ہماری
تہۂ سمندر کو چھانتی ہستیاں ہماری

میں تیرے دریا کے گہرے پانی کھنگالتا ہوں
زمین کے نیچے چھپے خزانے نکالتا ہوں
گھنیرے جنگل کی خاک دن رات چھانتا ہوں
میں تپتے صحرا کو اپنے قدموں سے ناپتا ہوں

ہزار فن میری انگلیوں میں رچے ہوئے ہیں
ہزار نغمے ابھی لبوں میں دبے ہوئے ہیں
ہزار جادو میرے بدن میں بسے ہوئے ہیں
کئی کرشمے دیارِ جاں میں چھپے ہوئے ہیں

جو مجھ کو فکر وعمل سے اتنا نواز تا ہے
وجود کو میرے قوتوں سے سنوارتا ہے
حیات کے سارے مرحلوں سے گذارتا ہے
وہ کون ہے جو یہ اختیارات بانٹتا ہے

حقیقتوں سے میں خود کو بیزار کیسے کردوں
میں اپنی فکر ونظر کو بیمار کیسے کردوں
میں اپنے اگلے سفر کو دشوار کیسے کردوں
اے خالقِ کُل میں تیرا انکار کیسے کردوں

○○○

آپ صلی اللہ علیہ وسلم

خالقِ کائنات نے اپنا کلام لکھدیا
قرطاسِ لازوال پر آپ کا نام لکھدیا

مالک دوجہاں نے سارے جہان کے لیے
آپ کی ذاتِ خاص کو رحمت عام لکھد یا

آپ سے پہلے اہلِ علم وہم وگماں میں تھے اسیر
لوگوں نے آفتاب کو ماہ تمام لکھدیا

آپ نے کھینچ دی لکیر وہم ویقین کے درمیان
صبح کو صبح لکھدیا شام کو شام لکھدیا

آپ کی لو سے جل اُٹھے سارے چراغ آگہی
میں نے ہراک چراغ پر آپ کا نام لکھدیا

آپ کی ذات سے چلا لطف وکرم کا سلسلہ
آپ نے بحرِ بے کراں صحرا کے نام لکھدیا

معیار ہی بدل دیئے پست وبلند کے تمام
ادنیٰ سے اکَ غلام کو عالی مقام لکھدیا

دخترِ سربرہنہ کو آپ نے بخش دی رِدا
عصمت بے امان کو غیرتِ عام رکھدیا

زندگی اُن کی بندگی، بندگی اُن کی زندگی
وہ کہ جنہوں نے آپ کو اپنا امام لکھدیا

ہجرت شہر کا سفر روئے زمین پہ طے ہوا
آپ نے ہر مقام پر اپنا پیام لکھدیا

لمحوں کے ہم قدم بھی آپ صدیوں میں گامزن بھی آپ
وقتِ نے عرصۂ حیات آپ کے نام لکھدیا

جرأت لب کشائی تو میرے لیے محال تھی
میں نے لبِ خموش پر اپنا سلام لکھدیا

OOO

نعت

مالک کائنات نے اپنا کلام لکھدیا ہے
قرطاس لازوال پر آپ کا نام لکھدیا ہے
جرأت لب کشائی تو میرے لیئے محال تھی
میں نے لبِ خموش پر اپنا سلام لکھدیا ہے

○○○

فردوسِ گُم شدہ کا پتا کون دے گیا
صحرا کو فصلِ گُل کی قبا کون دے گیا
یہ کس نے پستیوں کے دریچوں کو وا کیا
کوہِ صفا پہ آکے صدا کون دے گیا

○○○

غزلیں

غزلیں

دیارِ رمزِغیب تک رسائی بانٹنے لگے
وہ اِس قدر سخی ہوے خدائی بانٹنے لگے

مصوّروں کو رنگ و بو کے منظروں کی چاہ تھی
وہ چلمنوں میں شوقِ خود نمائی بانٹنے لگے

اندھیری شب میں قافلوں کے حوصلوں کو کیا ہوا
امیر، چگنوؤں کو رہنمائی بانٹنے لگے

نمائشی سخاوتوں کو چاہئے گداگری
امیر شہر کا کاسۂ گدائی بانٹنے لگے

پروں میں طائروں کے جب اڑان ہی نہیں رہی
تو اہل خیر قید سے رہائی بانٹنے لگے

○○○

میرے بدن کو یہی سایۂ شجر ہوجائے
وہ مہربان ہو تو دھوپ بام در ہوجائے

جوکھوگیا ہے تو آؤ اُسے تلاش کریں
وہ ایک نقشِ کفِ پا جوراہبر ہوجائے

جواُس کے گھر میں چلاجائے وہ اُسے پالے
جو اس کے در سے پلٹ آئے دربدر ہوجائے

جوسر اُٹھاؤں تو سب کے لیے دکھے یہ دل
جوسر جھکاؤں تو دنیا سے بے خبر ہوجائے

بھٹک رہاہے جو لے کر چراغ ہوش وخرد
چراغ دل کا جلالے تو دیدہ ور ہوجائے
وہ اک خبر جو اُڑائی گئی سلیقے سے
عجیب نہیں کہ کسی وقت معتبر ہوجائے

ooo

کوئی تو ہے جو سفر میرا معتبر کردے
غبارِ راہِ کو چاہئے تو راہبر کردے

میں اُس کی نظروں کو اپنی نگاہ سے چُھولوں
وہ چاند دیکھے تو کوئی مجھے خبر کردے

میں اُسکو سب کی نظر سے چُھپائے رکھتا ہوں
یہ دل تو چاہے کہ ہر شخص کو خبر کردے

وہ لمحہ تیری نگاہوں کا آخری لمحہ
میرے خیال میں اُترے تو آنکھ تر کردے

تمام عُمر کی یہ داستانِ شام وسحر
کسی کی یاد اِسے کتنا مختصر کردے

عجب نہیں کہ یہی دھوپ تپتے صحرا کی
کچھ ایسے ٹوٹ کے برسے کہ تربہ تر کردے

یہ آندھیاں کہ فضا میں اُڑائے رکھتی ہیں
پرندہ چاہے کہ پرواز مختصر کردے

ہزاروں صدیوں سے پہلے کی داستانیں ہیں
مگر بیان تیرا اِن کو معتبر کردے

ooo

کیسے رستہ بھول گیا ہے دیکھو تو
کون ہمارے گھر آیا ہے دیکھو تو

پتھر میں اک پھول کھلا ہے دیکھو تو
اس نے اپنا نام لکھا ہے دیکھو تو

کیوں ہر کوئی تنہا تنہا لگتا ہے
کس کا کس سے کیا رشتہ ہے دیکھو تو

شاخ پہ چڑیا تنکے چُن کہ بیٹھی ہے
شہر سمندر میں بہتا ہے دیکھو تو

ہے سانسوں پر بوجھ بہت گھٹ جاتی ہیں
دشت، میں کیسی آب وہوا ہے دیکھو تو

بیٹی بیٹے ناتی پوتے کہاں گئے
دادی گھرمیں کیوں تنہاہے دیکھو تو

شہر کے آنگن سے سب چڑیاں غائب ہیں
صحرا کا موسم کیا ہے دیکھو تو

ooo

کوئی کرم کوئی وعدہ نہ خواب چاہتے ہیں
کچھ اور غم ترے خانہ خراب چاہتے ہیں

ہماری چاک قباؤں پہ وقت کے لکھے
کئی سوال ہیں سب کا جواب چاہتے ہیں

یہ ٹمٹماتے دیئے راہ کیا دکھائیں گے
ہم اپنے ہاتھوں میں اب آفتاب چاہتے ہیں

وہ جو تلاطم دریا سے ڈر کے بھاگے تھے
وہ پیاسے بیٹھے ہیں صحرا میں آب چاہتے ہیں

ہم اپنے گھر کے چراغوں کو لَو نہیں دیتے
اور آسماں سے اک ماہتاب چاہتے ہیں

دیارِ پیر مُغاں ہوکہ بزمِ چارہ گراں
ہرایک چہرے کو ہم بے نقاب چاہتے ہیں

ہم اپنے بند گھروں میں خموش بیٹھے ہوئے
خدا سے دشمنِ جاں پر عذاب چاہتے ہیں

تو اپنی ترنفسی کا جواز ڈھونڈ کے رکھ
ہم اپنی تشنہ لبی کا حساب چاہتے ہیں

ooo

کتنے دریا پی جاتا ہے
دیکھ سمندر بھی پیاسا ہے

کن پھولوں میں رزق چھپا ہے
تتلی کو سب اندازا ہے

چہرے پہ سب کچھ لکھا ہے
ہاتھ نجومی دیکھ رہا ہے

برفیلے کہسار سے ہم کو
سورج نے دریا بھیجا ہے

جانے والے یاد آتے ہیں
صحرا میں دریا بہتا ہے

تنگ نظر دھوکا کھاتے ہیں
چاند ادھورا کب ہوتا ہے

اس نے سانسیں گن رکھی ہیں
مجھ کو بھی کچھ اندازا ہے

چاند ستارے نابینا ہیں
سورج رستہ دکھلاتا ہے

تازہ پھولوں کے پہلو میں
شاخ پہ اک پیلا پتا ہے

میں بھی کب اس کو بھولا ہوں
وہ بھی کب سچ بول رہا ہے

آؤ، بیٹھو، کچھ کہہ سُن لیں
کل کا دن کِس نے دیکھا ہے

اہلِ دل حیران کھڑے ہیں
اہلِ خرد میں کیا جھگڑا ہے

بازاروں میں چلنا مشکل
دیر و حرم میں سناٹا ہے

اپنے سر سے جو رِدا باندھے گا
اب وہی بندِ قبا باندھے گا

ڈر گیا دُھول بھری آندھی سے
بیٹھ کے گھر میں ہوا باندھے گا

اتنی آلودہ فضا ہے تو خدا
دشت میں بادِ صبا باندھے گا

ہے سمندر پہ حکومت اُسکی
باد بانوں سے ہوا باندھے گا

زندگی اس کی ہے رازق ہے وہی
سوکھی شاخوں پہ غذا باندھے گا

وہ ہر اک روح کو دے گا پیکر
اور ہرجاں سے قضا باندھے گا

پابہ زنجیر تو کردے گا مجھے
تو مرا دستِ دعا باندھے گا؟

کٹ گئے پر تو اُڑانے والا
میرے بازو سے ہوا باندھے گا

○○○

تمام عمر رحمتوں کے باب ڈھونڈ تے رہے
صنم تراشتے رہے ثواب ڈھونڈتے رہے

اُسے تو کوئی جرأت کلام ہی نہ ہوسکی
اور ہم لبِ خوش پر کتاب ڈھونڈتے رہے

لہو میں تر یہ نقشِ پا اُنہیں کے ہیں جو عمر بھر
ببول بو کے باغ میں گلاب ڈھونڈتے رہے

ہٹائے سنگ وخشت اور دِیا جلا کے رکھ دیا
اندھیرے راستوں پہ ہم ثواب ڈھونڈتے رہے

ہمیں تو جو عطا ہوا اُسی پہ سر جُھکا لیا
وہ اور تھے جو رزق بے حساب ڈھونڈتے رہے

○○○

میرے احساس میں جو بس گیا ہو
وہ اب چاہے بھی تو کیسے جدا ہو

کسی کو اب کوئی خطرہ نہیں ہے
ضروری ہے کہ اب اک حادثا ہو

میں جس کی جستجو میں سرگراں ہوں
بہت ممکن ہے مجھ کو ڈھونڈ تا ہو

اِسی احساس میں سویا نہیں میں
گو شاید وہ بھی اب تک جاگتا ہو

میں ہر کاغذ کی تہہ کو کھولتا ہوں
کہ شاید اُسی نے کوئی خط لکھا ہو

جو شغلِ چارہ سازی سے ملا ہے
میرے اس غم سے کوئی آشنا ہو

ڈرا تا ہے سکوتِ خانۂ دل
پڑے اک چوٹ تو ہنگامہ سا ہو

○○○

کسی دن تو ذرا کُھل کر مجھے مِل
حصارِ جسم سے باہر مجھے مِل

ہمیشہ دوسروں کی غم شناسی
کبھی خلوت میں چشمِ تر مجھے مل

ادھر سے بھی گذر اے ابر باراں
مری تپتی ہوئی چھت پر مجھے مل

کہاں ڈھونڈوں تجھے اپنے سے باہر
کبھی تو جسم کے اندر مجھے مل

کسی دن تو اُڑادے میری نیندیں
کبھی تو خواب سے باہر مجھے مل

مجھے بھی وسعتِ فکر ونظر دے
کسی دن اے بُت آذر مجھے مل

ooo

نہ ہمسفر ہے نہ قربتیں ہیں نہ فاصلا ہے
عجیب دل ہے خیالی پیکر تراشتا ہے

ترے مرے بیچ آج اتنا جو فاصلا ہے
بہت گراں ہے مگر محبت کی انتہا ہے

کوئی نیا غم کہ آہٹوں سے جمود ٹوٹے
دیارِ دل میں بہت دنوں سے سکوت سا ہے

خوشی کے لمحوں میں یاد آتے ہیں غم پُرانے
یہ دل اُداسی کے سو بہانے تلاشتا ہے

تمہاری یادیں کہ جیسے صحرا میں گُل کھلے ہوں
تمہارا غم جیسے آندھیوں میں دیا جلا ہو

ہماری مستیاں کام آگئی ہیں
قبا کی دھجیاں کام آگئی ہیں

نئے محلوں میں شہزادے رہیں گے
پُرانی بستیاں کام آگئی ہیں

ہمیں اندازۂ طوفاں نہ ہوتا
شکستہ کشتیاں کام آگئی ہیں

ستاروں کی بلندی ناپنے میں
زمیں کی پستیاں کام آگئی ہیں

تمہارے شہر کی اِن وسعتوں میں
ہماری کھیتیاں کام آگئی ہیں

ooo

ہمیں اک تشنہ لب ایسا ملا تھا
جو دریا کے دکھوں کو جانتا تھا

جو زنداں میں اکیلا رہ گیا تھا
وہی اک شخص تھا جو بے خطا تھا

نمائش پارسائی کی بیت تھی
وہ اپنا راز خود ہی کھولتا تھا

ترے خنجر نے جس کی جان لے لی
وہ تیرے واسطے محوِ دعا تھا

ہمارے بیچ کتنی قربتیں تھیں
ہمارے بیچ جب اک فاصلا تھا

اُسے ہر شخص کے بیچ کی خبر تھی
اسے ہر شخص جھوٹا مانتا تھا

ooo

وہ سرِ راہ کھڑا ہو شاید
میرے آنے کا پتا ہو شاید

میری آنکھوں میں ہے اُس کا چہرہ
وہ بھی کچھ سوچ رہا ہو شاید

رات ڈھلنے لگی رستہ تکتے
وہ ابھی محوِ دعا ہو شاید

وہ خفا ہے تو کوئی بات تو ہے
میرے دشمن میں ملا ہو شاید

کیوں صبا آج ادھر سے گذری
وہ اِدھر سے ہی گیا ہو شاید

عقابی کتب خانہ
سپیشل ریختہ
معمولی معاوضہ پر
ریختہ کی نایاب
کتب

ہرکوئی ہم سے گریزاں کیوں ہے
کچھ ہماری بھی خطا ہو شاید

ooo

خوشیوں کے لمحوں میں ہر غم یاد آتا ہے
ہرموسم میں پچھلا موسم یاد آتا ہے

آبِ سرد سے جل جاتے ہیں ہونٹ ہمارے
آبِ رواں پہ پیاس کا ماتم یاد آتا ہے

بیٹھ اکیلے رو لیتے ہیں تنہائی میں
سب کو ہنستا دیکھ کے ہر غم یاد آتا ہے

بھول گئے ہم جانے کتنے چہرے لیکن
عارضِ گل پہ قطرۂ شبنم یاد آتا ہے

تیرا سراپا، تیری خوشبو، تیرا آنچل
کوئی بھی رُت ہو ایک ہی موسم یاد آتا ہے

ooo

چلو اب ایسے ملیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں
کہ تم نے کچھ نہ کہا میں نے کچھ سنا ہی نہیں

قیامتیں تو کئی بار آئی ہیں لیکن
وہ حادثہ تو زمیں پر ابھی ہوا ہی نہیں

قصور اُسکا نہیں میری خوش گمانی تھی
کہ میں نے وہ بھی پڑھا اسنے جو لکھا ہی نہیں

ہراک شب یوں تیرے انتظار میں گذری
کہ جیسے دل غمِ ہجراں سے آشنا ہی نہیں

اُسے یقین ہے جھوٹی گواہیوں پہ تو پھر
مجھے قبول ہے وہ جُرم جو کیا ہی نہیں

ہزار چرچے مرے کاروبارِ شوق کے ہیں
وہ ایک نام مگر کوئی جانتا ہی نہیں

لہو لہان بدن ہے مگر مزاج تو دیکھ
سکوتِ لب پہ کوئی حرفِ بد دعا ہی نہیں

OOO

آنکھوں کو پھر وہ منظرِ کوہ صفا تو دے
اس دشتِ بے اماں میں کوئی راستا تو دے
میں جسم وجاں میں قید ہوں یا مجھ میں جسم وجاں
میں کون ہوں، کہاں ہوں، میرا کچھ پتا تو دے
یارب میں کیسا بے سروساماں بے ننگ ونام
سرکو نہ بخش تاج بدن کو قبا تو دے

اِس بحرِ کائنات کا اک قطرہ میں بھی ہوں
مجھ کو بھی کوئی نام کوئی مرتبا تو دے

اب مجھ کو میری فکر ونظر سے ملے نجات
اِن دائروں کے بیچ کوئی راستا تو دے

OOO

پھر مرے حق میں فیصلہ کوئی
پھر سرِ کوہ سے صدا کوئی

پھر عطا کر مجھے عصا، کوئی
بھرے دریا میں راستا کوئی

پھر مجھے مطلب ومعانی دے
پھر عطا کر دے مُدعا کوئی

پھر شبِ گُم رہی کو سورج دے
پھر نظر آئے راستا کوئی

کرگئی خاک گرمیٔ گفتار
دے مجھے فکرِ بے صدا کوئی

OOO

وہ شاہ ہو کہ گداگر، حساب دینا ہے
ہیں جمع سب اسی در پر، حساب دینا ہے
زمین، پھول، پرندے ہوں آب ودانہ ہو
سبھی کا قرض ہے ہم پر حساب دینا ہے

وہ کوئی شیش محل ہوکہ راہ کا پتھر
ہراک قدم پہ سنبھل کر، حساب دینا ہے

تم اپنے تیرِ اذیّت شمار کر رکھنا
نشان ہیں مرے دل پر حساب دینا ہے

پہاڑ، دشت وسمندر کہ شاہ کا لشکر
ہو کوئی طائر بے پر، حساب دینا ہے

وہ ماں کی گود ہو یا طفلِ شیرخوار کا دل
یا کوئی دستِ ستم گر، حساب دینا ہے

○○○

گماں ہو تو سمندر، سراب ہوتا ہے
یقین ہو تو یہ صحرا بھی آب ہوتا ہے

یونہی نہیں کوئی خانہ خراب ہوتا ہے
زمین پر بھی حساب وکتاب ہوتا ہے

ہجوم سوختہ جاں سو رہا ہے سونے دو
یہ جاگتا ہے تو پھر انقلاب ہوتا ہے

وہ اک سوال ہے لیکن ہے اِس قدر آساں
کہ اپنے آپ میں اپنا جواب ہوتا ہے

تری نظر میں تماشہ ہے فصلِ لالہ وگل
مری نگاہ میں پتہ کتاب ہوتا ہے

کبھی کبھی تو مرا کارِ خیر بھی مجھ کو
ثواب لگتا ہے لیکن عذاب ہوتا ہے

○○○

گلشن، بستی، پربت صحرا، دشت و سمندر، سب خاموش
ایک اشارہ اُس کا اور پھر زیست کے منظر، سب خاموش

لب پہ خموشی، آنکھ سے باتیں، جسم کے منظر، سب خاموش
عُمر کے ڈر سے صحن، دریچے، دیوار و در، سب خاموش

اپنے اپنے راز چھپائے بند کتابوں جیسے لوگ
باہر باہر شور شرابا اندر اندر سب خاموش

دیکھ کیسا سناٹا ہے ماضی کے میدانوں میں
ڈھول اُڑاتے، ہاتھی گھوڑے، شاہ کے لشکر، سب خاموش

کیسا شور مچا ہے دیکھو بستی کے بازاروں میں
گلیاں سونی، بند دریچے، دیوار و در سب خاموش

ایک مقدس گھر کے آگے صدیاں سہمی بیٹھی ہیں
ہاتھ پسارے، سر کو جھکائے، شاہ و قلندر سب خاموش

○○○

ہم نے اپنے ذہن کا ہر در کُھلا رہنے دیا
اپنی آنکھوں پر ہر اک منظر کُھلا رہنے دیا
اک طریقہ یہ بھی ہے زخمی پرندے کے لیے
آب و دانہ رکھ دیا شہر پر کھلا رہنے دیا

ہم نے اپنے واسطے سب در مقفل کر لیے
بس دعا کے واسطے اک در کُھلا رہنے دیا

جانے کیا تھی مصلحت ماں نے تو چادر اوڑھ لی
ساتھ چلتی بیٹیوں کا سر کُھلا رہنے دیا

کیا خبر کب، کون، کن حالات میں، مانگے پناہ
ہم نے ساری رات اپنا در کُھلا رہنے دیا

یاد کر صحرا نوردوں کا طریق زندگی
سر کو سجدے میں رکھا خنجر کُھلا رہنے دیا

○○○

اس کی مرضی عزّت دے رسوائی دے
راہ گذر دے، محفل دے، تنہائی دے

مجھ کو زبانِ شکر عطا کر پھر چاہے
بادِ صبا دے، آندھی دے، پروائی دے

تیرے صحرا تیرے سمندر پار کروں
عزم سفر دے تابِ آبلہ پائی دے

ہم کہ زمیں پر بکھرے، سوکھے پتّے ہیں
ہم کو اپنی شاخوں پر یک جائی دے
اپنا قد اور اپنا گریباں دیکھ سکوں
یارب میری آنکھوں کو بینائی دے

○○○

کچھ خطا اپنی بھی تھی ہم کو بھی شرم آئی بہت
زندگی بھی عُمر بھر ملنے سے کترائی بہت

کل ہمارے دم سے تھی ہنگامہ آرائی بہت
اب گواں ہے ہم پہ یارد اپنی تنہائی بہت

مجھ سے ملنے کی اسے فرصت کہاں تھی ، عمر بھر
جسم کی کرتا رہا یہ دل پزیرائی بہت

دور تک اس کی نگاہیں پاؤں سے لپٹی رہیں
دیر تک اس کی خموشی کی صدا آئی بہت

اُٹھیے چلئے لے کے یہ اپنی شکستیں اپنے غم
ہوچکی اس شہر میں اب اپنی رسوائی بہت

اپنے بارے میں عمر کچھ خوش گمانی بھی رکھو
دیکھو اچھی نہیں یہ خودشناسائی بہت

○○○

جودل سے قافلۂ تشنہ جاں گذرتا ہے
توپھر یہ دریا کہاں آنکھ میں ٹھہرتا ہے
جوتجھ کو لے کے مری آنکھ میں اُتر تا ہے
تمام دن مرا اُس خواب میں گذرتا ہے

سکوتِ شب میں سنوارے ہے اس کو ماہِ تمام
سحرکا چہرہ کہیں خود بخود نکھر تا ہے
کچھ ایسے زخم ہیں تازہ ہی رہتے ہیں ورنہ
گذرتا وقت ہراک زخم جاں کو بھرتا ہے

تھکن بھی ہو تو مجھے بیٹھنے نہیں دیتا
مرے قریب سے ہوکر کوئی گذرتا ہے

جو برگِ گُل سے ٹپکتی ہیں اوس کی بوندیں
تو ایک چہرہ مرے ذہن میں اُترتا ہے

تو جی یہ چاہتا ہے اُس کو آنکھ میں بھر لوں
وہ ایک سایہ جو دیوار سے گذرتا ہے

یہ دل ٹپکتا ہے جب آنکھ سے لہو ہوکر
تو ایک شعر مرے ذہن میں اُتر تا ہے

کسی کے خوف سے آزاد کیا ہوا یہ دل
کہ اب تو سایۂ دیوار ودر سے ڈرتا ہے

ooo

کمالِ عشق تماشہ نہیں ہوا کرتا
جنوں کی آنکھ میں دریا نہیں ہوا کرتا

نجات ذہن کی آوارگی سے دے یارب
کہ سر تو جھکتا ہے سجدہ نہیں ہوا کرتا

تمام عُمر مجھے جاں پہ کھیلتے گذری
ہر اک کے ساتھ تو ایسا نہیں ہوا کرتا

جو جاگتا ہے وہ اس شب کے انتظار میں ہے
کہ جس کے بعد سویرا نہیں ہوا کرتا

حیات معرکۂ جسم و جاں نہیں یارو
جو ہو رہا ہے تماشا نہیں ہوا کرتا

OOO

یوں لگا اُس نے مرا نام لیا ہو جیسے
اُس کے ہونٹوں سے کوئی پھول گرا ہو جیسے

شبِ تنہائی میں سنتا ہوں میں اپنی دھڑکن
پہ یہ زنجیر کوئی محوِ دعا ہو جیسے

دور تک تکتی رہیں مجھ کو وہ بھیگی آنکھیں
یوں چلے جانا بھی اک طرز وفا ہو جیسے

آنکھ کُھل جاتی ہے یوں رات کے سناٹے میں
کوئی آواز مجھے دے کے گیا ہو جیسے

کیسی بے چینی سی رہتی ہے رگِ جاں کے قریب
اِس خرابے میں کوئی آبلہ پا ہو جیسے

ہرطرف چہرے ہی چہرے ہیں مگر وہ چہرہ
تپتے صحرا میں کوئی پھول کِھلا ہو جیسے

OOO

جی کہتا ہے سحرِ جادو گر میں رہیں
چھوڑ کے یہ حسّاس بدن پتھر میں رہیں
شاخوں کے بام و در سبزے کا آنگن
آؤ چلیں اب اپنے پُرانے گھر میں رہیں

جانے کب سے چین کی نیند نہیں آئی
کب تک پیر اِس چھوٹی سی چادر میں رہیں

نیچی نظریں، دھیمیں آہٹ، لب خاموش
کیسی کیسی یادیں بام و در میں رہیں

شہر سیاست کی ذور میں ہے سب سے کہو
پیٹ سے پتھر باندھ کے اپنے گھر میں رہیں

تازہ کرنے کے لیے زخم پُرانے لے کر
اُن کے گھر جاتے ہیں ہم روز بہانے لے کر

تو ہی سوتا رہا چادر میں سمیٹے ہوئے پاؤں
صبح آئی تھی ترے نام کے دانے لے کر

جن کے تم نقشِ قدم چوم کے خوش رہتے ہو
وہ چلا کرتے تھے ٹھوکر میں زمانے لے کر

شاخِ گل نے اُنہیں بانہوں میں چھپا رکھا ہے
تم جنہیں ڈھونڈتے پھرتے ہو نشانے لے کر

کرگذرنا ہے اگر کچھ تو سفر پر نکلو
کب تلک نیند وہی خواب پُرانے لے کر
ہم بھی بیچ آئے ہیں منڈی میں روایات اپنی
اجنبی آئے تھے شانوں پہ خزانے لے کر

OOO

وہ حوصلہ تھا کہ دل سے ہر ایک ڈر نکلا
اُڑان، بھرتا پرندہ لہو میں تر نکلا

ہر ایک صحن میں کچھ رنجشوں کے سائے تھے
مکان شہر کا ہر اک ہمارا گھر نکلا

عجیب کھیل تھا الفاظ اور لہجے کا
کہ جھوٹ بولنے والا ہی معتبر نکلا

زبان خشک ہوئی شَل ہوئے دعاؤں کے ہاتھ
مرے گناہ کا آنسو ہی پُر اثر نکلا

جو ایک چھوٹا سا کچا مکاں تھا بستی میں
اُسی مکان سے دنیا کا تاجور نکلا

○○○

گذشتہ نسلوں کے کتنے ہی راز کھولتے ہیں
کوئی سُنے تو یہ دیوار و در بھی بولتے ہیں

ہماری کوئی کرے بھی مخالفت کیسے
ہم اپنے آپ سے سب کو زیادہ تولتے ہیں

کسی کی تشنہ لبی یا کسی کی سیرابی
یہ دریا اپنے کناروں پہ کیا ٹٹولتے ہیں

یہ ہم پیالہ وہم راز وہم نوا، ہم درد
یہی تو ہیں کہ جو رشتوں میں زہر گھولتے ہیں

اے اہل خیر فقیروں کی بھیڑ سے نکلو
اُنہیں تلاش کرو جن کے چہرے بولتے ہیں

○○○

مہرباں اس درجہ ہوتا کون ہے
سبزہ دیواروں پہ بوتا کون ہے

اک ترا غم ہی تو وہ شئے ہے جسے
ہاتھ آجائے تو کھوتا کون ہے

گھر میں تو میرے سوا کوئی نہیں
رات بھر پہلو میں روتا کون ہے

کون ہوتا ہے حلیفِ خستہ جاں
دوسروں کا بوجھ ڈھوتا کون ہے

ہجر کی راتیں عجب شئے ہیں عُمر
نیند تو آتی ہے سوتا کون ہے

○○○

خوشبو اُڑ کے ساری گُل ترسے لے گئی
کیسی ہوا چلی کہ ردا سر سے لے گئی

آندھی نئے مزاج کی آئی کدھر سے تھی
ٹھنڈی ہوائیں میرے سمندر سے لی گئی

بے باک کِسقدر تھی وہ معصوم سی نظر
عظمت تمام تر بُتِ آذر سے لے گئی

سچائیوں کی دُھوپ کو آیا نہیں ترس
سب رنگ میرے خواب کے منظر سے لے گئی

آخر میں فتح یاب ہوئی وقت کی ہوا
سب دھوم دھام شاہ کے لشکر سے لے گئی

کیا طرز پیرہن تھی کہ چشم گنہگار
سب آب وتاب حُسن کے پیکر سے لے گئی

ooo

ہمیں نہ صاحبِ دیوار وبام ودر لکھنا
ہمارے نام کوئی سایۂ شجر لکھنا

اُٹھوکہ ہجرتِ ماضی کا وقت آپہنچا
چلو کہ دامنِ صحرا پہ ہے سفر لکھنا

سفیر سوختہ جاں ترجمانِ درد میں ہم
ہمارے شعروں کو اقوالِ معتبر لکھنا

ہرایک بات زباں سے نہیں کہی جاتی
سکوتِ لب پہ کوئی نامہ چشم تر لکھنا

امیر شہربھلا کیوں ہمیں نوازے گا
ہمیں تو آتا نہیں شام کو سحر لکھنا

صبا کے ہاتھ وہ بھیجے ہے خوشبوئیں اپنی
صبا کو لکھنا تو اب اُسکا نامہ ہر لکھنا

بُلاوا آیا ہے اہلِ قلم کو شاہی سے
مگر یہ حکم ہے ہر عیب کو ہُنر لکھنا

OOO

بھلا اب اَن کہا کیا رہ گیا ہے
ترا چہرہ تو سب کچھ کہہ گیا ہے

یہ دریا ڈھونڈتا پھرتا ہے کس کو
وہ ایسا کون پیاسا رہ گیا ہے

سفر کے واسطے تیار رہنا
وہ مجھ سے جاتے جاتے کہہ گیا ہے

تم اپنے آپ سے شرمندہ مت
یہ دل تو جانے کیا کیا سہہ گیا ہے

جواب صحرا نظر آتا ہے تم کو
ادھر سے ایک دریا بہہ گیا ہے

وہ آنکھیں خشک ہیں اب کچھ دنوں سے
سمندر قطرہ قطرہ بہہ گیا ہے

OOO

رشتے ناطوں کی کہانی زندگی
خوش گمانی بدگمانی زندگی
اَن گنت صدیوں کے چہرے پر لکھی
چند لمحوں کی کہانی زندگی

اک کھلونا روز و شب کے ہاتھ میں
ٹوٹ جانے کی کہانی زندگی

جس طرف چاہے ہوا لے کر چلے
ایک کشتی بادبانی، زندگی

اک حسیں ہنگامہ زیرِ آسماں
ایک مرگِ ناگہانی، زندگی

عُمر کے دسیوں برس کی داستان
اک ادھوری سی کہانی، زندگی

ہر نیا بچہ سُنا تا ہے مجھے
عہدِ گم گشتہ پُرانی زندگی

آتی جاتی سانس میں یہ دم کہاں
صرف اُس کی مہربانی، زندگی

عُمر ساری کٹ گئی سنتے ہوئے
خود سے اپنی ہی کہانی، زندگی

○○○

دیار دل میں نہ خوشبو ہے نہ کوئی سایا
تمہارے بعد کوئی دوسرا نہیں آیا
یہیں لُٹا تھا مرا ذوقِ آبلہ پائی
یہی جگہ تھی جہاں میں نے خود کو دفنایا

کچھ ایسے موڑ بھی آئے ہیں زندگی میں جہاں
میں اپنے آپ سے نظریں نہیں ملا پایا

نئے مکانوں کے دیوار و در تو بہرے ہیں
فقیرِ شہر یہ تو کس طرف نکل آیا

اُمیدیں، حسرتیں، محرومیاں، تمنائیں
فقیرِ شہر چھپائے ہوئے ہے سرمایا

کوئی تو ہے جو مرا ہاتھ تھام لیتا ہے
میں زندگی کے ہر اک موڑ سے نکل آیا

بہت قریب سے دیکھا ہے ہم نے سب کو عُمر
ہمارے ساتھ کوئی دوسرا نہیں آیا

OOO

تم اپنے آپ کو خود یا ئمال مت کرنا
کسی کے سامنے اظہارِ حال مت کرنا

ہمارے بیچ ہیں ہجر و وصال بے معنی
بچھڑ بھی جائیں تو کوئی ملال مت کرنا

کچھ ایسے لوگ ہیں غربت چھپائے رکھتے ہیں
فقیر شہر ہراک سے سوال کرمت کرنا
ہمارے سر پہ مسائل کی دھوپ رہتی ہے
ہمارے ساتھ سفر کا خیال مت کرنا

یہ زندگی تو ہے لمحہ بھی اور صدیاں بھی
عمر حسابِ دن و ماہ و سال مت کرنا

○○○

اے آبِ سر دبتا تیری جاں پہ کیا گزری
ترے کنارے یہ تشنہ لباں پہ کیا گزری

وہ جس کی شاخوں کے سائے میں سو گئے تھے ہم
سلگتی دھوپ میں اُس سائباں پہ کیا گزری

یہ درد مندی بڑی چیز ہے مگر اے دل
تجھے خبر ہے مرے جسم و جاں پہ کیا گزری

نکل کے دیکھ ذرا اپنے بند کمروں سے
کہ سرد رات میں اک بے مکاں پہ کیا گزری

کبھی جو کہہ نہ سکا اپنے دل کی بات عُمر
تمہارے جانے سے اُس بے زباں پہ کیا گزری

○○○

خموش ہونٹوں میں زور بیاں بھی ہوتے ہیں
کہ بے زبانوں میں اہلِ زباں بھی ہوتے ہیں

تم اس کی فتح کے گُن گا رہے ہو گاؤ مگر
بہت سے لوگ پسِ داستاں بھی ہوتے ہیں

ہمارے خاک نشینوں نے راز کھول دیا
کہ اِس زمین پہ کچھ آسماں بھی ہوتے ہیں

امیرِ شہر سکھاتا ہے بولنا اُس کو
خطیبِ شہر بہت بے زباں بھی ہوتے ہیں

کسی کا دستِ کرم اور کسی کا دستِ سوال
میاں! زمین پہ کچھ امتحان بھی ہوتے ہیں

○○○

میں تھک کر رُک گیا، ایسا نہیں ہے
یہاں سے آگے اب صحرا نہیں ہے

اُنہیں کی انگلیاں اٹھی ہوئی ہیں
کہ جن ہاتھوں میں آئینا نہیں ہے

ہراک گھر میں سیاست ہو رہی ہے
کہیں باقی کوئی رشتا نہیں ہے

یہ دنیا چند لمحوں کی کہانی
مگر یوں سوچتا کوئی نہیں ہے

ہراک کے ساتھ مرگِ ناگہانی
کہیں بھی کوئی بھی تنہانہیں ہے

سبھی دامن بھرے لگتے ہیں لیکن
کسی کے پاس کچھ اپنا نہیں ہے

○○○

تیرے بعد ہر چیز میں تیرا منظر ہوگا
رات کٹی تو دن کا گذرنا دوبھر ہوگا

اب تو عُمر کا آخری موڑ بھی آپہنچا ہے
تم نے کہاتھا صحرا پار سمندر ہوگا

دل کی ضد پیروں کی تھکن، آشفتہ سری
رات تو گذری اب یہ تماشہ دن بھر ہوگا

تم بھی چپُ میں بھی گُم سُم اک دوراہے پر
کب سوچاتھا ایسا بھی اک منظر ہوگا

○○○

کیسے کیسے کام اس جینے کی خاطر ہوگئے
زندگی تھی اک سفر اور ہم مسافر ہوگئے

ہے وہی آنگن وہی سائے وہی دیوار ودر
اور اب اُن سب کی یادیں جو مہاجر ہوگئے

پھُول کی قربت میں آکر اُڑ گئے تتلی کے رنگ
کاروبارِ شوق میں سب کتنے شاطر ہوگئے

فصلِ گل بادِصبا، شام وسحر، ماہ ونجوم
ہم ترے کوچے سے کیا گذرے کہ شاعر ہوگئے

دل کی تحریروں کے سارے عکس اب چہرے پہ ہیں
میرے آنے سے تمہارے راز ظاہر ہوگئے

گردشِ شام وسحر میں کھوگئے رشتے تمام
لوگ تو اب خود سے بھی ملنے سے قاصر ہوگئے

○○○

ہر چند ہیں غبار مگر رہ گذر میں ہیں
دیکھو پلٹ کے ہم کو ابھی ہم سفر میں ہیں

ہیں کتنے نام اب جنہیں لیتا نہیں کوئی
ہیں کتنے حادثے جو میری چشمِ تر میں ہیں

ہم قتل تو ہوئے ہیں مگر مٹ نہیں سکے
سب کو ہماری فکر ہے سب کی نظر میں ہیں

کس کس کی لاج رکھے ہوئے ہیں یہ بام ودر
کس کس کے کتنے راز انہیں بام ودر میں ہیں

اک لمحے کو اُجالے سے خالی نہیں جہاں
کتنے چراغ گردشِ شام وسحر میں ہیں

اب کتنا اور رزق ہے میرے نصیب میں
کتنی اُڑانیں اور میرے بال وپر میں ہیں

○○○

سر سے مرے سودائے سفر کیوں نہیں جاتا
دل چاہے جدھر جانا اُدھر کیوں نہیں جاتا

غم آخری حد سے بھی گذر کیوں نہیں جاتا
مٹی ہے اگر جسم بکھر کیوں نہیں جاتا
تپتا ہے مرے جسم سے لپٹا ہوا صحرا
اندر جو سمندر ہے بپھر کیوں نہیں جاتا

دن میں بھی وہی خواب کا منظر، ترا منظر
اِن آنکھوں سے خوابوں کا اثر کیوں نہیں جاتا

یہ میرا تصور ہے کہ پرچھائیں ہے تیری
آنگن سے مرے سایۂ در کیوں نہیں جاتا

حالات کی پستی ہی سکوں دے سکے شاید
ذہن اپنی بلندی سے اُتر کیوں نہیں جاتا

اب کس کو بتاؤں کہ مرے ہاتھ ہیں خالی
ہر شخص یہ پوچھے ہے کہ گھر کیوں نہیں جاتا

ooo

پچھلی شب انتظار سا کیا تھا
وہ یقین تھا گمان تھا کیا تھا

میرے چہرے پہ ڈھونڈتا کیا تھا
وہ نگاہوں سے تولتا کیا تھا

مجھ سے ترک تعلقات کے بعد
مانگتا وہ کوئی دعا کیا تھا

زندگی، موت، جسم وجاں، احساس
یہ معمہ مرے خدا کیا تھا

وہ جو منکر تھا رشتۂ دل سے
سوچتا کیا تھا بولتا کیا تھا

اُس نے کچھ بھی نہیں کہا لیکن
لب پہ وہ حرف بے صدا کیا تھا

○○○

مرے راز کھول کے رکھ دیئے مجھے آئینہ سا دکھا گیا
وہ جو مُجھ میں ہی تھا چھپا ہوا وہ مذاق میرا اُڑا گیا

شبِ ہجرِ یار گذر گئی مگر اِس گمان کو کیا کروں
لب بام جنبشِ پا سی تھی کوئی تھا جو آ کے چلا گیا

یہ تو اپنا اپنا مزاج ہے کہ اندھیری رات میں راہ پر
کوئی رکھ کے شمع چلا گیا کوئی آ کے شمع بجھا گیا

سبھی اُس کے مدح سرار ہے کوئی اُس کو کچھ بھی نہ دے سکا
بڑا شوق چارہ گری کا تھا لیے اپنا درد چلا گیا

شبِ وصل یار نے رنگ و بو مرے جسم و جاں کو دیئے مگر
وہ جو لطف خواہش وصل تھا وہ جو ہجر کا تھا مزا، گیا

ترے ساتھ ذوقِ جمال کے سبھی رنگ مجھ سے بچھڑ گئے
وہ مذاقِ رنگِ حِنا گیا وہ شعورِ بادِ صبا گیا

OOO

یہ جسم و جاں کی مدارات بھی ضروری ہے
مگر خیالِ حسابات بھی ضروری ہے

شبِ فراق سہی، گہری نیند سو جاؤ
کہ صبح ہوتے مناجات بھی ضروری ہے

تھکن کے بعد ہی ملتی ہے لذّت آرام
چلو کہ طولِ مسافات بھی ضروری ہے

کہ سر بہ سجدہ رہیں اور زبانیں شکر گذار
زمیں پہ شورش آفات بھی ضروری ہے

بکھر تے ٹوٹتے رشتے تو جُڑ بھی سکتے ہیں
مگر تلافیٔ مافات بھی ضروری ہے

کہ اس کو یاد رہیں ہم سے آشنائی کے دن
اک اجنبی سے ملاقات بھی ضروری ہے

اب آپ اتنے مہذب بھی مت بنے پھریئے
کبھی کبھی کی خرافات بھی ضروری ہے

OOO

یارو کہاں ہوئی ہے ابھی رہ گذر تمام
کیوں اجنبی سے لگنے لگے ہم سفر تمام

بس ایک ہی چراغ جلاتھا زمیں پر
جس سے دیئے جلاتے رہے راہ بر تمام

صحرا میں حوصلوں کا وہ منظر عجیب تھا
پرواز میں تھے طائرِ بے بال وپر تمام
کچھ دیر نیند آئی تھی کچھ پَل کا خواب تھا
پھر جانے کب گذر گئے شام وسحر تمام

دیکھا نظر اُٹھا کے نہ چھیڑا کسی سے ذکر
لیکن دل ودماغ نے رکھی خبر تمام

ہر گھر میں لوگ آئے، رہے، اور چلے گئے
اور دم بخود کھڑے رہے دیوار ودر تمام

اب میں ہوں اور پاس ہے شعلہ بداماں دھوپ
بے سایۂ ہوگئے میرے اپنے شجر تمام

OOO

نہ ہم کسی کے نہ کوئی کبھی ہمارا تھا
ہرایک رشتہ فقط وقت کا تقاضا تھا

تمام عُمر مجھے خود کو ڈھونڈتے گذری
میں اپنے آپ میں کھویا ہوا صحیفا تھا

اندھیری رات میں اب وقت اسکو ڈھونڈتا ہے
چراغ لے کے کوئی آندھیوں میں نِکلا تھا

ہماری نسلیں رہیں جس کے پیچھے محوِ خرام
وہ اپنے گھر سے چلا تھا تو کیسا تنہا تھا

ہوائیں جسکے اُجالوں کو لے کے چلتی ہیں
وہ اک چراغ تھا لیکن چراغ ایسا تھا

جواب دیتے مجھے ساری عُمر بیت گئی
مرے وجود کا مجھ سے سوال ایسا تھا

سوال تشنہ لبی کی اَنا کا تھا ورنہ
ہمارے سامنے صحرا نہیں تھا دریا تھا

OOO

خود سے بھی ملنے کو ترسے تیرے بعد
سُونے ہوگئے سارے رستے تیرے بعد

رونے سے ڈر تھا تیری رسوائی کا
ہنستے بھی تو کیسے ہنستے، تیرے بعد

گھر میں جگنو، تتلی، بھنورے سب آتے تھے
بھول گئے سب اپنے رستے تیرے بعد

جِس تِس کا مُنھ تکتے پھرتے صبح وشام
ہم ٹھہرے اب کتنے سستے، تیرے بعد

جسم کا تپتا صحرا جَل تھَل کر ڈالا ہے
بادل کیسے ٹوٹ کے برسے تیرے بعد

میں ہی جانوں میں نے صدیاں کیسے کاٹیں
کیسے گذرے عُمر کے لمحے تیرے بعد

○○○

خامشی میں کلام کے رشتے
وہ دریچوں کے بام کے رشتے
ہوگئے گذرے وقت کی باتیں
وہ دعا کے سلام کے رشتے

خون کا رنگ پڑگیا پھیکا
رہ گئے صرف نام کے رشتے

ٹوٹ جاتے ہیں چند لمحوں میں
کِس طرح صبح وشام کے رشتے

اک تعلق بنائے رکھتے ہیں
یارو ترکِ کلام کے رشتے

اک چٹائی پہ ہم نشیں دونوں
دیکھ شاہ وغلام کے رشتے

○○○

اوپر اوپر ہنستے اندر اندر روتے لوگ
ہم نے دیکھے اپنے ہاتھوں خود کو کھوتے لوگ

سچائی سے بچ کر خوابوں خوابوں چھپتے پھرتے
تپتی دھوپ میں جاگتی آنکھوں والے سوتے لوگ

مجبوری کی چادر اوڑھے پیٹ سے پتھر باندھے
اپنی لاشیں خود اپنے کاندھوں پر ڈھوتے لوگ

وہ تو کہئے ہم نے تھوڑی لاج بچائے رکھی
ہم نہ ہوتے تو پھر جانے کیسے ہوتے لوگ

○○○

ہیں کائنات میں روشن کسی کے فن کے چراغ
مری نظر میں درخشاں کسی سخن کے چراغ

لچک رہی ہے ہر اک شاخ صحن گلشن میں
جلا دیئے ہیں ہواؤں نے بانکپن کے چراغ

نہ اب حجاب کا جادو نہ پیرہن کی کشش
سیاہ پوش ہوئے اُس کے تن بدن کے چراغ

بکھیر ڈالے گئے زندگی کے سب منظر
بجھا دیئے گئے تہذیب وعلم وفن کے چراغ

نہ ہم پیالہ وہم راز وہم نوا کوئی
اُٹھا لیئے گئے سب میری انجمن کے چراغ

جواک پہاڑ پہ اُترا تھا آسمانوں سے
چلو جلائیں دلوں میں اُسی سخن کے چراغ

○○○

یقین دل کو دے آنکھوں کو ترجمانی دے
میں صرف سادہ ہوں یارب مجھے معانی دے

میری زمین کہ بنجر پڑی ہے صدیوں سے
تو مجھ میں قید سمندر کو اب روانی دے

مسافروں کے لیے مجھ کو سایہ دار بنا
میں قحط آب سے پیاسا شجر ہوں پانی دے

نہ سبزہ دار روش دے نہ سایۂ دار شجر
مرے سفر کو کوئی مقصد ومعانی دے
میرے ذہن میں کچھ تو رہے بھرم میرا
دل ونگاہ کو تھوڑی سی خوش گمانی دے

OOO

وہ ایک دور کہ تھا شاعرانہ بیت گیا
پروں کو تول کر موسم سہانا بیت گیا

تمہیں گئے تو ابھی ایک شام گذری ہے
تمہیں گئے ہوئے کتنا زمانہ بیت گیا

اُسی کی رہتی ہے ہروقت آرزو مجھ کو
کہ جس کو ساتھ مرے اک زمانہ بیت گیا

OOO

سب کی آنکھ بچا کر رات مرے شانے پر اُترا چاند
تم نے دور سے دیکھا ہوگا میں نے چھو کر دیکھا چاند

شبنم جیسا نرم ونازک پھول کے جیسا مہکا چاند
ہم سے زیادہ کوئی نہ جانے سچ مچ کیسا ہوتا چاند

خوابیدہ دیوار ودر کی آڑ میں ہوکر چمکا چاند
رات اُماوس کی تھی لیکن میرے گھر میں نکلا چاند

رات فضا میں اور زمین پر ایک ہی جیسا منظر تھا
بادل کے آوارہ ٹکڑے اور بے چارا تنہا چاند

اپنے اپنے دکھ سکھ کہتے کہتے گذری ساری رات
نیچے ایک میں تنہا تنہا اوپر ایک اکیلا چاند

ooo

نظمیں

آخری ورق

بڑی بھیانک سی اک صدا ہے
جو پگھلے سیسے کی طرح سب کی سماعتوں پہ ٹپک رہی ہے
زمین ہچکولے کھا رہی ہے
پہاڑ جڑ سے اُکھڑ گئے ہیں
بڑا زبردست زلزلہ ہے

سمندروں کا اُبلتا پانی زمیں کے سینے پہ چڑھ گیا ہے
دہکتا سورج قریب آ کر زمیں کے چہرے کو چاٹتا ہے
اور اُس کی کرنوں کے سُرخ خنجر
زمیں کے سینے میں گڑ گئے ہیں
زمیں تھرّا کے پھٹ گئی ہے

اور اس کے اندر کا سرخ لاوا لہو کی صورت اُبل رہا ہے
ہوائیں شعلوں کی طرح ہر سو لپک رہی ہیں
تمام سیارے اپنے رستوں سے ہٹ گئے ہیں

فضا میں اک شور سا مچا ہے
کہ جیسے بادل گرج رہے ہیں
کہ آگ اور خوں کا ایک دریا سا بہہ رہا ہے

زمین شق ہے
سب اپنی قبروں سے ننگے جسموں کو ساتھ لیکر نکل پڑے ہیں
کوئی کسی کی طرف نگاہیں نہیں اُٹھا تا
ہر ایک چہرہ جھلس گیا ہے
تمام نظریں سہم گئی ہیں
برہنہ انساں اپنے ہاتھوں سے منھ چُھپائے
ادھر اُدھر بھاگتے ہیں لیکن
کہیں کوئی راستہ نہیں ہے

نہ کوئی ماں ہے نہ باپ کوئی
نہ کوئی بیٹا نہ کوئی بیٹی
نہ بہن کوئی نہ بھائی کوئی
نہ کوئی شوہر نہ کوئی بیوی
تمام رشتے تمام ناطے
اس ایک خنجر سے کٹ گئے ہیں
کہیں کسی کا کوئی نہیں ہے

نہ تیرگی ہے نہ روشنی ہے
اِدھر ایک لمحہ دھواں دھواں ہے
بڑا زبردست زلزلہ ہے
کتابِ ہستی کا آخری ورق جل رہا ہے

○○○

کانٹے

ذرا ٹھہرنا

رکو! میری ایک بات سننا

یہ ریگ زاروں سمندروں کا سفر تمہارا
یہ نصف شب کی تمام بیداریاں تمہاری
تمہاری ساری یہ صبح گاہی کی آہ و زاری
دمِ سحر سے نمود شب تک یہ سارے فاقے
تمہاری پیاسی زباں کی خشکی لبوں کی سوزش
تمہاری ساری تلاوتیں، سجدے اور صلاتیں
یہ مفلسوں پر نگاہ ودوستِ کرم تمہارا
یہ ساری چیزیں تمہاری بے شک
بہت ہی انمول شئے ہیں لیکن
بڑی عدالت میں ایک دن جب مجھے ملو گے
تمہاری یہ عمر بھر کی پونجی مجھے ملے گی
کہ تم نے رخسارِ دل پہ میرے
ہزار کانٹے چبھودیئے ہیں

OOO

دعوت

نہ جانے کب سے

حدِ نظر سے پرے تصور کی انتہا تک
حدودِ عقل خرد سے آگے

خلاؤں کی نیلی وسعتوں میں
فضاؤں کی بزم بال و پر میں
اُبھرتے سورج کی سرخیوں میں
خموش راتوں کی تیرگی میں
ہوا کے لہراتے آنچلوں میں
نظر سے روپوش منظروں میں

پہاڑ کی چوٹیوں کے اوپر
مہکتی سرسبز وادیوں میں
تپتے ہوئے پتھروں کے اندر
خموش غاروں کی ظلمتوں میں

اندھیرے جنگل کے شوروغل میں
لچکتی شاخوں کے بانکپن میں
شگفتہ پھولوں کے رنگ وبو میں
شجر شجر پر ثمر ثمر میں

سمندروں کی ان ہلچلوں میں
جمی ہوئی جھیل کی سطح پر
تہوں کی ہنگامہ خیزیوں میں
ندی کنارے کی جھاڑیوں میں

سُلگتے صحرا میں دھوپ کی گرم چادروں پر
تپی ہوئی ریت کی تہوں میں
سدا سے بنجر پڑی چٹختی زمین کے اوپر
ہمیشہ سرسبز تر نفس خطّۂ زمیں پر

جوان ماں کے بدن کے اندر
ڈھکے ہوئے آنچلوں کے نیچے
جہاں جہاں کوئی نقل وحرکت سی ہورہی ہے
جہاں جہاں سانس چل رہی ہے
جہاں جہاں زندگی بسی ہے

ناجانے کب سے ہے دعوتِ خوردونوش جاری
ہزاروں صدیوں سے لمحہ لمحہ
ہزاروں مہمان آرہے ہیں
ہزاروں مہمان جارہے ہیں
وہ کون ہے جو یہ ذمہ داری اُٹھا رہا ہے

○○○

تلاشِ گمشدہ

میں بے وطن ہوں
اور اپنے کھوئے ہوئے وطن کی تلاش میں ہوں

کبھی کسی نے کہیں بھی دیکھی ہو ایسی بستی
کہ جس میں ایسا محل نما اک مکاں ملا ہو
بلند دیوار و در پہ جس کے
بہت ہی خوش رنگ بیش قیمت
حسیں پتھر جڑے ہوئے ہوں
قدم قدم پر دبیز قالین زیرِ پا ہوں
گھنے درختوں کے سائے، بادِ صبا کے جھونکے، سحر کی کرنیں
کھلے دریچوں کو چومتی ہوں
محل نما اِس مکاں کے اطراف کے مناظر
نظر کو حیراں کر رہے ہیں
کہ جس طرف بھی نگاہ اُٹھے

تمام بستی میں کوئی بھی اک مکان ایسا نظر نہ آئے
کہ جس کے دیوار و در پہ سبزہ اُگا ہوا ہو
گھنے درختوں کے سائے، بادِ صبا کے جھونکے سحر کی کرنیں
بچا کے دامن گذر رہی ہوں
زمیں نشیب و فراز سے تنگ ہو گئی ہو
اگر کسی نے کہیں بھی دیکھی ہو ایسی بستی
مجھے پتہ دے
کہ ایسی بستی وطن ہے میرا
اک آسمانی کہ جسکا نقشہ کتاب میں ہے

○○○

معذرت

سنو! یہ اپنی بُجھی بُجھی نیم واسی آنکھیں
تم ایک لمحے کو کھول کر میری سمت دیکھو
میں کتنا شرمندہ سر جھکائے کھڑا ہوں
اک آخری چیز مانگتا ہوں

مجھے یہ احساس ہے کہ میں آج جو بھی کچھ ہوں
تمہاری ممتا تمہارے احسان کا ثمر ہوں
ثمر کہ جس نے
وہ ساری خوشبو، وہ ساری لذت
جو قرض میرا تمہارا حق تھی
تمہیں نہیں دی

میں کتنا شرمندہ سر جھکائے کھڑا ہوا ہوں
میں جانتا ہوں
حیات کا رس تمہارے سینے سے جو پیا تھا
مرے بدن میں لہو کی صورت رچا ہوا ہے

تمہارے بوسوں نے مجھ میں احساس کو جگایا
تمہاری نظروں نے مجھ کو فکر ونظر عطا کی
تمہاری بانہوں میں میں نے جینے کا ڈھنگ سیکھا

تمہارے سینے سے لگ کے میں نے شعور پایا
تمہاری بے خوابیوں سے آنکھوں نے خواب پائے
تمہاری لوری نے میرے ہونٹوں کو لفظ بخشے
تمہاری انگلی پکڑ کے راہوں کی کھوج سیکھی

تمہارے کمزور بازوں میں جواں ہوا جب
تو میں نے سوچا
تمہاری ساری صحبتوں کا صلہ چکا دوں
تمہاری ساری عنایتوں کا حساب کردوں
تو میں نے اپنے جواں پسینے کی ساری قیمت
تمہارے قدموں میں لا کے رکھدی

تمہارے زخموں پہ میں نے ہونٹوں کے پھائے رکھے
تمہارے پیروں کی پانس پلکوں سے میں نے بنی
تمہارے ہر غم کو اپنے دل میں بسا لیا تھا
تمہارا ہر زخم اپنے اشکوں سے دھو دیا تھا
تمہارا ہر آنسو اپنی پلکوں پہ لے لیا تھا

میں سوچتا ہوں
کہ میں تمہارا ہر ایک حق تم کو دے چکا ہوں
حساب بے باق کردیا ہے

میں مطمئن تھا
مگر اچانک
کل اک مقدّس کتاب میں کچھ سطور دیکھیں
تو میں نے جانا
"کہ تم نے مجھ کو جنم دیا جب
تو جتنی آہیں بھری تھیں تم نے
ابھی تو اُن میں سے ایک کا بھی
حساب پورا نہیں ہواہے--"

سنو! یہ اپنی بجھی بجھی نیم واسی آنکھیں
تم ایک لمحے کو کھول کر میری سمت دیکھو
میں کتنا شرمندہ سرجھکائے کھڑا ہوں
تم اک عنایت یہ اور کردو
تمہارا یہ قرض میں ادا کرنہیں سکوں گا
یہ قرض اپنا معاف کردو

○○○

نئے چراغ

اے کائنات کے خالق اے کارسازِ حیات
اے میرے گھر کے محافظ اے جسم وجاں کے رفیق
ہزار سجدے تیری بے پناہ قدرت کو
ہزار شکر تری بے حساب رحمت کا

یہ ننھے مُنّے سے بچے یہ تیرے فن پارے
یہ ہنستی کھیلتی زندہ نشانیاں تیری
یہ میرے گھر میں نیا سلسلہ چراغوں کا
یہ میری نسل کی تازہ کھلی ہوئی کلیاں
یہ میرے پھول، یہ اجداد کے لہو کے امیں
مرے بزرگوں کے نام ونمود کے وارث

یہ میرے صحن میں کرنیں اُبھرتے سورج کی
نسیمِ صبح کے قدموں کی آہٹیں جیسے
مہکتی پھیلتی خوشبو صبا کے دامن کی

نکھرتی مرے آنگن میں شاخِ گل جیسے
دھنک نے چوڑیاں اپنی اُتار کر رکھ دیں
چمک اُٹھی میرے آنگن میں کہکشاں جیسے
چمک رہے ہیں مرے گھر کے گیلے آنگن میں
ٹپکتی اوس کے نازک سے خوش نما موتی

اے کائنات کے خالق اے کارسازِ حیات
مرے چمن میں ترے طائرانِ خوش آہنگ
خموش ہوں تو سماعت پہ بوجھ پڑتا ہے
کریں جو شور شرابا تو نیند آتی ہے
اداس ہوں تو یہ دل ڈوبنے سا لگتا ہے
جو رو رہے ہوں تو سانسیں ٹھہرنے لگتی ہیں

اُچھلتے کودتے پھرتے ہیں جب یہ آنگن میں
مری رگوں میں لہو دوڑنے سا لگتا ہے
یہ گر پڑیں تو میرا جسم ٹوٹ جاتا ہے
یہ چوٹ کھائیں تو سینے میں درد اُٹھتا ہے

یہ دوڑ کر مرے سینے سے جب چمٹتے ہیں
تو بازوؤں میں مرے کائنات ہوتی ہے
یہ میری ٹانگوں کو جھولا بنا کے جھولتے ہیں
تو اس بدن میں نئی جان پڑنے لگتی ہے

یہ میرے شانوں پہ جب بھی سوار ہوتے ہیں
میرے بدن کا توازن سدھر نے لگتا ہے

یہ ننگے پاؤں جب آتے ہیں میرے بستر پر
تو دھول سے مرا بستر مہکنے لگتا ہے
یہ ہنستے بولتے ہیں قہقہے لگاتے ہیں
تو میرا ذہن سکوں کے نشے میں ڈوبتا ہے

شکستہ لے میں کوئی گیت جب سناتے ہیں
مری رگوں میں نئے سُر اُبھرنے لگتے ہیں
یہ اپنی کاپی کتابیں جو لے کے بیٹھتے ہیں
تو مجھ کو بھولے سبق یاد آنے لگتے ہیں

یہ تھک کے جب مرے سینے پہ لیٹ جاتے ہیں
تو میرے جسم کو آرام ملنے لگتا ہے
میں ان کو کوئی کہانی سنانے لگتا ہوں
تو میری قوت گویائی بڑھنے لگتی ہے
یہ میرے بازو پہ سر رکھ کے سونے لگتے ہیں
تو بازوؤں میں تو انائی جاگ جاتی ہے

مجھے نصیب ہوئی ہیں امانتیں تیری
سیاہ کار پہ کیسی عنایتیں تیری
بہت عزیز ہے مجھ کو یہ فصلِ لالہ وگل
مگر اے رشتوں کے مالک مگر اے خالقِ گل

میں چاہتاہوں کہ یہ مجھ سے پھیر لیں نظریں
میرے قریب رہیں مجھ سے دور دور رہیں
یہ میرے پاس نہ آئیں نہ مجھ کو پہچانیں
میں جیسے وہم وگماں کے سوا کچھ اور نہیں
یہ میرے پاس سے گذریں تو اس طرح جیسے
میں تھک کے بیٹھ گیا اجنبی مسافر ہوں

یہ میرے بارے میں باتیں کریں تو یوں جیسے
کہ ان کا مجھ سے کبھی کوئی واسطہ ہی نہ تھا
یہ مجھ کو اس طرح دیکھیں کہ جیسے میرا وجود
چراغِ آخرِ شب کے سوا کچھ اور نہیں
مرے قریب بھی آئیں تو اس طرح جیسے
کہ میرے ہونے کا احساس ہی نہیں ان کو

اگر نہ ہوسکا ایسا تو پھر اے ربّ کریم
یہ میرے بعد مجھے یاد کرکے روئیں گے

اُداس آنکھیں

اُداس آنکھیں
جو بستر مرگ سے اُتر کر
خموش کمروں میں جھانکتی ہیں
جو مجھ سے کہتی ہیں
"دیکھ بچّوں کو فرش پر لیٹنے نہ دینا
کہیں کوئی کیڑا کاٹ نہ لے۔۔"

اُداس آنکھیں
جو گھر کی دہلیز پر کھڑی ہیں
گذرتے لمحوں کو گِن رہی ہیں
جو حادثوں کے خیال سے فکر مند ہو کر
لرزتے لہجے میں مجھ سے کہتی ہیں جا کے دیکھو
"یہ بچّے پڑھنے گئے تھے کہیں
ابھی تک لوٹ کر نہ آئے"

اداس آنکھیں

میرے بدن کی تھکن کو چھوکر
جومجھ سے کہتی ہیں میرے بھائی
''میرے شکستہ بدن کی تیمارداریوں
تمہارا کیا حال کردیا ہے
تم اپنی صحت کا دھیان رکھو--''

تھکی تھکی نیم جاں سی آنکھیں
بجھی بجھی نیم واسی آنکھیں
جوآسماں کی بلند دہلیز پر جھکی ہیں
جودستِ قدرت کو تھام کر گڑ گڑا رہی ہیں
''کہ اے خدائے بزرگ وبرتر
میری خطائیں معاف کردے
مجھے بدن کی اذیتوں سے نجات دے دے
میں تھک گئی ہوں--''

ooo

منظر

زمیں پہ بجلی یہ کیسی کوندی
گرج، دھمک، سنسناتے اولے
دھوئیں کے بادل
یہ خون کی گرم گرم بوندیں
زمین آتش پہ اماں سہمی پڑی ہوئی ہے
وہ پو پھٹتی ہے

یہ ہاتھ کس کا ہے
جس کی انگلی میں اک نشانی پگھل گئی ہے
ہتھیلی جس پر حنا کی سُرخی سلگ رہی ہے
کلائی میں چوڑیوں کے ٹکڑے چُبھے ہوئے ہیں
یہ بازو جس پر امام ضامن بندھا ہوا ہے

یہ کِس کی پازیب دم بخود ہے
یہ ہار کس کا بکھر گیا ہے

یہ کِس کا آنچل لہو کے پھولوں سے بھر گیا ہے
برہنہ سر پر دھوئیں کی چادر
جواں چہرہ خود اپنے خوں کی نقاب ڈالے
بدن لہو کی ردا لپیٹے
سیاہ پوشی میں ڈھل رہا ہے

اِدھر اُدھر بکھرے یہ کھلونے
جھلسی گڑیاں، خموش باجے
یہ دودھ کی ٹوٹی بوتلیں یہ جلی فراکیں
محبتوں کے خطوط، شادی کے تازہ فوٹو
کنواری آنکھوں کے خواب سارے
یہ اون میں لپٹی تیلیوں کے سیاہ ٹکڑے
یہ آئینے کے چمکتے ریزے

یہ ٹکڑے ٹکڑے عصائے پیری
لہو لہو کا سۂ گدائی
کِسی کی تسبیح کے یہ دانے
چمکتی چنگاریوں کی طرح بکھر گئے ہیں
کسی مقدس کتاب کے ورق جل رہے ہیں
زمین دستِ دعا اٹھائے کراہتی ہے

یہ خوں چکاں خوفناک منظر
دل ونظر پہ گراں بہت ہے

ہمارے غارِ حرا کی راتیں
ہمارے کوہِ صفا کی باتیں
ہمارے صحراء ہماری وادی، ہمارے میداں
کہیں بھی ایسا کوئی بھی منظر
کبھی نہیں تھا

ooo

آخری موت

سنو! یہ سچ ہے
سماعتوں پر گراں تو ہوگا
کہ سچ یہی ہے

یہ لاش اُس کی ہے جس کی خاطر
ہر اک سحر ایک تازہ سورج کا حلقۂ دار لے کے آئی
ہر ایک شب چاند کے پیالے میں زہر لائی
جو زندگی کی صلیب پر اپنی لاش ٹانگے پیالہ تھامے
سحر سے شب تک کئی برس تک
سنہرے خوابوں کے بکھرے ٹکڑوں پہ چل رہی تھی
وہ ہنس رہی تھی کہ رو رہی تھی
وہ جی رہی تھی کہ مر چکی تھی

سنو! یہ سچ ہے
کہ ، ہم جسے آج رونے بیٹھے
وہ برسوں پہلے ہی مرچکی تھی
اب اس کو رونے سے فائدہ کیا
یہ لاش برسوں برس پُرانی
اب اپنے اشکوں سے اس کو دھونے سے فائدہ کیا

یہ لاش ہم سے سوال کرتی رہی تھی برسوں
کہ ہم نے شعلے پہ ڈور ریشم کی کیوں لپیٹی
کہ بوند شبنم کی ہم نے ریتے میں کیوں دبائی
کہ آب گینے کو سنگ مرمر پر کیوں سجایا

یہ لاش کتنے برس پُرانی
لہو کی سرخی اب اس کے چہرے پہ ڈھونڈنا کیا
لہو میں تو چولا رنگ دیا تھا
لہو بدن میں بچا ہی کب تھا
کہ سانس چلتی کہ آس بچتی

یہ آخری موت، موت کب ہے
یہ زندگی کی اذیتوں سے صعوبتوں سے
نجات کا راستہ کُھلا ہے
خدا بہت مہرباں ہوا ہے

○○○

میں اور وہ

تھکا تھکا دن سیاہ چادر جب اوڑھتا ہے
تو مجھ کو راتوں کی گرم بانہیں پکارتی ہیں
اشارہ کرتے ہیں مجھ کو وہ نیم وا دریچے
محبتوں کے سنہرے جالوں میں اُلجھی آنکھیں
اندھیری گلیوں کی غربتوں کے وہ بند کمرے
وہ بے زباں بے لباس بے خواب بالا خانے
جدید ہوٹل کے بند کمرے میں رنگ و بو کے حسین منظر

میں اپنی منزل کے رت جگے سے
سحر کے ہوتے تھکا تھکا سا جو لوٹتا ہوں
تو مجھ کو ملتا ہے راستے میں
مری گلی کا وہ خوب رو بے زبان ساکن
سیاہ ریشم سے بالوں والا

زبان لٹکائے دُم اُٹھائے
کسی کی خوشبو کا پیچھا کرتا
کبھی خوشامد، کبھی محبت، کبھی تشدد
تمام شب کی اِن حرکتوں سے تھکا تھکا سا
وہ میرے ہمراہ لوٹتا ہے
پھر اپنی بانہوں میں خود کو لے کر
زمین کے ایک نرم گوشے میں اونگھتا ہے
اُسے کچھ اِس کی خبر نہیں ہے
کہ کتنے بچّے ہیں اُس کے اور سب کہاں کہاں ہیں
مجھے بھی تو یہ خبر نہیں ہے

ооо

فیصلہ

وہ جس کا تم قتل کر چکے ہو
اب اُس کے بچے یتیم ہو کر
شہر کی گلیوں میں کھیلتے ہیں
اب اُن کے اسکولوں کی کتابیں
سُنا ہے ردّی میں بِک گئی ہیں
کل اِن میں کوئی اُداس بچہ
لیئے ہوئے کاسۂ گدائی
سوال کرتا نظر پڑے گا
کوئی کہیں پر
صبح سے شب تک کی محنتوں سے
حقارتوں اور خدمتوں سے
تھکا تھکا سا دکھائی دے گا
کوئی جرائم کی بند گلیوں کی تیر گی میں

یوں نام روشن کرے گا اپنا
کہ لوگ اس سے ڈرا کریں گے

جوان بیوی کے ہاتھ میں چوڑیاں نہیں ہیں
اور انگلیوں کی سنہری انگوٹھی بِک چکی ہے
ادھر ادھر سے ملی ہوئی اُترنیں پہن کر
صبح سے شب تک

کئی گھروں کو سنوارتی ہے
وہ محنتوں سے تھکی ہوئی ہے
اُٹھی ہوئی انگلیوں سے کتنی ڈری ہوئی ہے
اب اُس کے دشوار راستے میں
بہت سی نظریں بچھی ہوئی ہیں
جوان عورت پھسل گئی تو--؟

جوان بیٹی سوال سی ہوتی جارہی ہے
سوال مہندی کے رنگ وبو کا
سوال چولے کی خوشبوؤں کا
سوال اک دستِ ہم نشیں کا
سوال اک جائے پُر اماں کا
مگر اُسے یہ خبر نہیں ہے
سماج بازار بن چکا ہے

بہت ہی پُر پیچ راستے ہیں
اکیلی لڑکی بھٹک گئی تو---؟

میں فیصلہ لکھ رہا ہوں لیکن
قلم مرا ٹھہر سا گیا ہے

تمہارے ہاتھوں سے ایک ہی قتل کب ہوا ہے
یہ خون تو دور تک بہا ہے
اک حلقۂ دار کم پڑے گا
یہ عُمر بھر کی اسیری کافی نہیں رہے گی

''قیودِ شام وسحر سے باہر
نہ حد ہو جس کی نہ انتہا ہو
سزا کی خاطر
تمہیں نئی ایک زندگی اور چاہئے ہے---''

OOO

ماں

یہ ناتواں سی ضعیف عورت
کہ جس کی کمزور دھندلی آنکھیں
تمہاری جانب اُٹھی ہوئی ہیں
کہ ڈبڈبائی سی جس کی آنکھوں کے دھندلکوں میں
تمہارا بچپن چُھپا ہوا ہے
کہ جس کے ماتھے کی سلوٹوں میں
تمہاری اب تک کی زندگی کی
ہراک کہانی چھپی ہوئی ہے

کہ جس کے خاموش سوکھے ہونٹوں کی جنبشوں میں
تمہارے چہرے کے گرم بوسے چھپے ہوئے ہیں
کہ نیند میں ڈوبے جس کے پہلو
تمہاری بیداریوں کو لوری سُنا رہے ہیں

کہ جس کے سینے کی دھڑکنوں میں
تمہاری کلکاریاں چھپی ہیں
کہ جس کی ممتا کی سوکھی ندیاں
تمہاری سیرابیوں سے اب تک مہک رہی ہیں
کہ جس کے شانے
تمہاری بے وقت کی ضدوں سے جھکے ہوئے ہیں
کہ جس کی کمزور اُنگلیوں میں
تمہارے جھولے کی ڈور اب تک بندھی ہوئی ہے

یہ عُمر کی میلی تنگ چادر میں لپٹی عورت
تمہاری جانب اب اس طرح دیکھتی ہے جیسے
کہ پالنے میں پڑا ہوا شیر خوار بچہ
مچل رہا ہو ہمک رہا ہو

اُٹھو! اوراک ماں کی طرح اس کو گلے لگالو
یہ دودھ پیتا ضعیف بچہ
یہ دوسری زندگی کے دشوار راستے میں
اماں تمہاری
یہ ماں تمہاری

ooo

وہ لڑکی

ہماری بستی کے ایک خاموش راستے پر
''جدید تہذیب'' کی علامت
نئے زمانے کی ایک ''روشن خیال'' لڑکی
وہ ہلکے شیشے ساخوبصورت لباس پہنے
گذر رہی تھی
کہ جیسے شاخِ گلاب کوئی لچک رہی ہو
کہ جیسے تتلی تلاشِ گل میں بھٹک رہی ہو
کسی کی آنکھیں چمک رہی تھیں

جب ایک دھندلا سا موڑ آیا
تو ایک ہلکی سی چیخ اُبھری
پھر اُس کا کوئی پتہ نہیں تھا

تم اِس خبر سے پریشاں کیوں ہو
یہ حادثہ کب ہے واقعہ ہے
سنو! تمہیں اعتراض کیا ہے
ہماری بستی کے رہنے والے فرشتے کب ہیں

○○○

میں

تمہاری خاطر

میں اپنے بالوں کی ایک اک لٹ سنوارتی ہوں
میں اپنی آنکھوں کی جھیل کے نیل گوں کنارے
چمکتے کاجل سے کالی راتیں اتارتی ہوں
ابھرتے سورج کی نرم کرنیں، شفق کی سرخی
گلابی پھولوں کی گرم خوشبو
میں اپنے رخسار ولب پہ ہردن اُبھارتی ہوں

میں سرسے پاتک دھنک سی بن کر
میں شاخِ گُل کی طرح لچک کر
تمہارے بازو میں ہاتھ ڈالے
سجے سجائے چمکتے بازار گھومتی ہوں
جدید کیفے کی رونقوں میں
کلب کی بے باک محفلوں میں
ہراک نظر کو نواز تی ہوں

کبھی کبھی کمپنی کے دفتر میں بیٹھے بیٹھے میں اونگھتی ہوں
کچھ ایسا لگتا ہے جیسے میرا وجود ٹکڑوں میں بٹ گیا ہے
ادھورے پن کی خموشیوں میں
جھنجھوڑ دیتا ہے کوئی مجھ کو
تمہیں کچھ اُس کا پتہ نہیں ہے
میں باخبر ہوں کے بے خبر ہوں

یہ ایک عورت جو میرے اندر چھپی ہوئی ہے
یہ چاہتی ہے
کہ اِس کی پازیب خوب کھنکے تمہاری خاطر
کہ سر سے پا تک یہ خوب مہکے تمہاری خاطر
جہاں بھی ہو تم
یہ گھر کے آنگن سے خوشبوؤں کا پیام بھیجے
یہ گھر کی کیاری میں بیج بوئے
حِنا کی شاخیں ہری بھری ہوں
ہتھیلیاں سرخ ہو کے مہکیں
گلاب مہکیں تو تتلیاں رقص کرنے آئیں
اور اُس کے بچے سنہری تتلی پکڑنے دوڑیں

یہ ایک عورت جو میرے اندر چھپی ہوئی ہے
یہ چاہتی ہے

کہ اپنے گھر کی ہرایک گوشے ہرایک شئے پر
نشان ہوں اُس کی انگلیوں کے
جودن ڈھلے اور شام کے سائے پھیل جائیں
یہ گھر کی دہلیز پر نگاہیں لگائے رکھے
تمہاری آہٹ یہ دوڑ جائے
تمام دن کی تھکن تمہاری
گلابی ہونٹوں کی مسکراہٹ میں جذب کرلے
یہ اپنے ہاتھوں کی گرم روٹی تمہیں کھلائے
تمہارے کپڑوں کو دھوکے رکھے
تمہارے کمرے کی ساری چیزیں
خود اپنے ہاتھوں سے صاف کرکے سجاکے رکھے

یہ چاہتی ہے
کہ اس کے پیکر کے رنگ دبو سے
تمہاری سانسیں
یہ گھر کے دیوار ودریہ آنگن
ہرایک پل اس طرح سے مہکیں
کہ ان کی خوشبو کسی کی سانسیں چُرا نہ پائیں

یہ ایک عورت جو میرے اندر چھپی ہوئی ہے
یہی تو میں ہوں
کہ جس سے اب تک ملے نہیں تم

OOO

دل

تمہارے سینے میں ایک شئے جو دھڑک رہی ہے
یہ دل نہیں ہے

نظر اُٹھاو، یہ منظرِ خونچکاں تو دیکھو
گھروں سے اُٹھتا دھواں تو دیکھو
یہ چوڑیوں کے سنہرے ٹکڑے
ادھر ادھر بکھرے یہ کھلونے
یہ خالی خالی شکستہ بانہیں
لہو پہ اماں خموش رستے سوال بن کر کھڑے ہوئے ہیں
اگر یہ دل ہے تو درد اٹھے
اگر یہ دل ہے تو خون ہوکر
تمہاری آنکھوں سے قطرہ قطرہ زمیں پہ ٹپکے

چلو کہ بازار کُھل گیا ہے
یہ سودے اپنے ضمیر کے اپنی غیرتوں کے

یہ سودے اپنے یقین اپنی عبادتوں کے
یہ سودے لوگوں کی زندگی کے
ضعیف کمزور بازوں کی مشقتوں کے
غریب لوگوں کی محنتوں کے
یہ سودے اپنی روایتوں کے
یہ علم وفن کے زباں کے سودے
یہ مدِعصمتِ مفلساں کے سودے
جواں دلوں کی محبتوں کے
یہ سودے مجبور ماںمتا کے
یہ سودے معصوم جسم وجاں کے

یہ منظر ناتواں تو دیکھو
یہ بوڑھے ماں باپ کے لبوں پر سکوت کیوں ہے
یہ ٹوٹی پلکوں پہ کیسی محرومیوں کے آنسو
یہ اِن کے بوسیدہ پیراہن اتنے میلے کیوں ہیں
اُداس آنکھوں سے وہ تمہیں دیکھتے ہیں ایسے
کھلونا بچے کے ہاتھ سے چھن گیا ہو جیسے

یہ منظر مفلساں تو دیکھ
تمہارے ہمسائے کے مکاں میں
یہ چکنی مٹی کا ٹوٹا چولھا
جوکل سے ٹھنڈہ پڑا ہوا ہے اداس کیوں ہے

یہ ماں کی آنکھیں پریشاں کیوں ہیں
یہ چھوٹے بچے جو ماں کے چہرے کو تک رہے ہیں
خموش کیوں ہیں

اسے بھی دیکھو
پریشاں گھر کی جوان بیٹی
ہتھیلیاں جس کی پھیکی پھیکی
کلائیاں جس کی سونی سونی
خموش نظروں سے راستہ کس کا تک رہی ہے
یہ وقت بے رحم کتنی تیزی سے بھاگتا ہے
کنواری آنکھوں کے خواب سب ٹوٹے جا رہے ہیں

انہیں بھی دیکھ
ہمارے بچے کہ جن سے بچپن بچھڑ گئے ہیں
یہ کارخانوں کے زہر آلود شوروغل میں
دہکتی بھٹی کے پاس بیٹھے
تھکے ہوئے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے بھاری پہیئے گھما رہے ہیں
یہ زہر میں ڈوبے رنگ و بوسے
خود اپنے بچپن جلا رہے ہیں
دلوں میں کتنے ہی شوق پالے
نظر میں مایوسیاں سمیٹے
بدن میں محرومیاں چھپائے

تپتے ہوئے پگھلے مادوں سے
حسین کھلونے بنا رہے ہیں
ابھی تو بچوں کے کھیلنے کو دنے کے دن تھے
یہ خود ہی اپنا حصار بچے
ہمارے بچے

انہیں بھی دیکھو
جو ہوٹلوں اور چائے خانوں کی رونقوں میں
یہ سرد موسم، ادھورے کپڑے، ٹھٹھرتے بچے
جو ٹھنڈے ہاتھوں سے گرم پیالے
ہراک کے آگے سجا رہے ہیں
یہ جھڑکیاں کھاتے بھوکے بچے
جو جھوٹے برتن کھنگالتے ہیں
حقارتوں کے شکار بچے
ہمارے بچے

بڑے گھروں کی چہل پہل میں
سحر سے شب تک کی محنتوں سے دبے ہوئے ہیں
دراز میزوں پہ لذتوں کو سجا رہے ہیں
نگاہ سے خوشبوؤں کو چھوتے ہیں اور چپ ہیں
ہراک کے خدمت گذار بچے
ہمارے بچے

گلی گلی کھیلتے جھگڑتے
یہ گالیاں بکتے ہنستے روتے
پھٹے پُرانے کثیف کپڑے
جو اپنے قد سے بھی لمبے جھولے
تھکے تھکے بازوں پہ ڈالے
اِدھر اُدھر کوڑہ بینتے ہیں
سڑک کے آوارہ بھوکے کتے
کیوں ان پہ غصہ اُتارتے ہیں

یہ بند دروازے کھٹکھٹاتے
صدا لگاتے یہ گڑ گڑاتے
امیر زادوں کی دولتوں کو
دعائیں دیتے غریب بچے
ہمارے بچے

وہ ان کے حصے کے سب قلم کاپیاں کتابیں
وہ ٹھنڈے پانی کی بوتلیں وہ ٹفن کے ڈبے
وہ سیب، انگور، ٹافیاں، چاکلیٹ، بسکٹ
وہ اِن کے رنگیں لباس اِن کے حسیں کھلونے
وہ اِن کے حصے کا رزق کس نے اُٹھا لیا ہے

تمہارے سینے میں ایک شئے جو دھڑک رہی ہے
یہ دل نہیں ہے
اٹھاؤ دستِ دعا اُٹھاؤ
جھکاؤ سجدے میں اپنا سر اور دعائیں مانگو
کہ اے خدائے بزرگ و برتر
اک دل عطا کر

ooo

ہم

سنو! کہ تم نے
بڑی محبت سے آب گینوں کی طرح ہاتھوں میں ہم کو رکھا
نئے زمانے کی بیش قیمت ہر ایک شئے سے ہمیں نوازا
ہمارے بیدار ہوتے ذہنوں کو علم وفن سے سنوارا تم نے
ترقیوں کے، حکومتوں کے، سیاستوں کے تمام قصے
نئے مزاجوں نئے رواجوں کے تذکرے بھی
نئی سماجی بغاوتوں کی ستائشیں بھی
تمام باتیں سُنی ہیں تم سے

کبھی کبھی ایک آسمانی کتاب کا ذکر بھی ہوا ہے
اِدھر اُدھر آتے جاتے اس پر نظر پڑی ہے
ضخیم سی اک کتاب ریشم کا خوبصورت غلاف اوڑھے
تمہارے کمرے کے کارنس پر
ناجانے کب سے رکھی ہوئی ہے
پتہ نہیں اس میں کیا لکھا ہے

بہت مقدس کتابیں گھر میں کچھ اور بھی ہیں
پُرانی الماریوں میں ترتیب سے رکھی ہیں
''حجاب، 'شرم وحیا' تقدس، لباس، پردہ،
یہ زندگی، بندگی، حساب وکتاب، محشر
سنا ہے اِن میں کسی کی سیرت کا تذکرہ ہے
کسی کے قول وعمل کا خاکہ کھنچا ہوا ہے

سُنا ہے تم سے
کہ نسخۂ کیمائے کردار یہ کتابیں
بہت ہی پاکیزہ صاف شفاف پھول جیسے
یہ کاروانِ حیات کا سیدھا راستہ بھی
یہ خوشبوؤں کا سفر بھی رنگوں کا سلسلہ بھی
مگر ہماری نگاہیں رنگوں کو چھو نہ پائیں
ہمارے احساس خوشبوؤں کو پکڑ نہ پائے
اِدھر اُدھر کے ہزار رنگوں سے سج گئے پیراہن ہمارے
نئے تمدن کے فکر وفن سے اَٹے ہوئے بانکپن ہمارے
نئے زمانے کے رنگ وبو سے ہمارے دامن بھرے ہوئے ہیں
ہمارے آنچل نئی ہواؤں کے ساتھ اونچی اُڑان پر ہیں
مگر یہ کیسی کسک ہے دل میں
ہماری شہ رگ کے پاس جیسے
کسی نے کانٹا چبھو دیا ہے

کبھی کبھی ایک خاص لمحہ
سکوتِ شب سے اُبھر کے ہم سے یہ پوچھتا ہے
کہ رہگذار حیات پر ہم کہاں کھڑے ہیں
ہجوم میں اب ہماری پہچان کیا بچی ہے

سنا ہے ہم نے
کہ ایک 'روشن چراغ' ہستی نے جو کہا ہے
وہ سچ کہا ہے
(درود اُن پر سلام ان پر)
ہمیں یقیں ہے
یہ سچ ہے روزِ حساب ہوگا
اور ایک دشوار راستے سے سفر بھی ہوگا
مگر ہمارا خیال یہ ہے
وہ بیٹیاں
جو کہ اپنے ماں باپ کے سفر کو کریں گی آساں
وہ ہم نہیں ہیں

○○○

موسم

کبھی کبھی میں شمار کرتا ہوں اُنگلیوں پر
کہ تم کو زندانِ جسم وجاں سے رہائی پائے
گذر گئے ماہ وسال کتنے

کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں
زمیں سے آسماں کی ہجرت
تمہاری مجبوریوں کی حد تھی
یا اتنے روشن ضمیر تھے تم
کہ آنے والی ہواؤں کے رُخ کو جانتے تھے
تمہیں یہ احساس ہوگیا تھا
کہ اگلا موسم جب آئے گا تو چمن کا ماحول کیسا ہوگا

تمہیں خبر تھی
ہوائیں بھی مصلحت کے رُخ پر چلا کریں گی
کہاں کہاں پھول ٹانکنا ہیں

کہاں پہ کانٹے بکھیر ناہیں
محبتوں، مہربانیوں کی ہر اک ادامیں
سیاستوں اور ضرورتوں کا حساب ہوگا

تمہیں خبر تھی

پرندے یہ دیکھ کر اُڑیں گے
کہاں کہاں گُل فشاں شجر ہیں
کہاں کہاں ہے لباس شاخیں
کہاں سلگتی سی دھوپ ہوگی
کہاں پہ سائے
کہاں پہ رقص وسرور ہوگا
کہاں خموشی

کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ تم سے کہہ دوں
کہ آسماں میں اگر دریچے کُھلے ہوئے ہوں
تو اِن دریچوں سے دور رہنا
زمیں کا منظر بدل چکا ہے
برہنہ سر ہیں تمام قدریں
سبھی روایات پارہ پارہ
ہراک تہذیب آبدیدہ
ہراک رشتہ وفا سے عاری

گُل ثمر سے بھری ہوئی سبز پوش شاخیں
کُچھ اسطرح سے لچک رہی ہیں
کہ جیسے سب کچھ یونہی رہے گا
کہ آج جیسا ہی کل بھی ہوگا
کسی کو احساس ہی نہیں ہے
کہ آسماں سے جس کی نظریں
ہر ایک شئے پر لگی ہوئی ہیں

ہمارا ماضی
ٹپکتی آنکھوں پہ ہاتھ رکھے
زمیں کے آنگن میں سر جھکائے کھڑا ہوا ہے
نئی ہواؤں کے گرم جھونکے
مرے بدن سے لپٹ رہے ہیں
دماغ و دل کی رگیں چٹختی ہیں ٹوٹتی ہیں
میں سوچتا ہوں
کہ مجھ کو زندانِ جسم و جاں سے
رہائی پانے میں رہ گئے ماہ و سال کتنے

OOO

سپنا

(۱)

میں نے رات اک سپنا دیکھا
میں بستی میں گھوم رہا تھا
نیم کے پیچھے سورج اُبھرا
شاخوں شاخوں سونا بکھرا

ڈالی ڈالی چڑیاں بولیں
پھولوں نے بھی آنکھیں کھولیں
بستی نے بھی لی انگڑائی
سمٹی ہر بستر پہ رضائی

چہرے جاگے نیندیں پھسلیں
بچوں نے بھی آنکھیں مسلیں
مندر اور گردوارے جاگے
گھر آنگن دروازے جاگے

میناروں سے آئیں صدائیں
پھیلی سر پہ پاک ردائیں
سر سجدے میں محوِ ثنا تھے
منت کرتے دستِ دعا تھے
میں نے رات کو اک سپنا دیکھا

(۲)

میں بستی میں گھوم رہا تھا
روشن تھے ہر گھر میں چولھے
چمک رہے تھے سب کے چہرے
گرم جلیبی دودھ میں بھیگی
دہی پراٹھے بیسنی روٹی
دودھ کی میٹھی میٹھی خوشبو
چائے کی بھینی بھینی خوشبو
مکھن 'بسکٹ' دودھ، ملائی
دادی نے بچّوں کو کھلائی
بستی کے ہر گھر کے بچّے
ہر اک عمر کے لڑکی لڑکے
شانوں پر تھے جن کے بستے
خوش تھے جن کو دیکھ کے رستے
اسکولوں کی سمت چلے تھے
آنکھوں آنکھوں پھول کھلے تھے

سورج چمکے جن کی جبین پر
چاند' ستارے جیسے زمیں پر
میں نے رات اک سپنا دیکھا

(۳)

میں بستی میں گھوم رہا تھا
بستی کا بازار کُھلا تھا
جیسے میلہ لگا ہوا تھا
ساری دکانیں خوب سجی تھیں
سب کی آنکھیں چمک رہی تھیں
چوتے کپڑے پھل ترکاری
سب کے تھیلے بھاری بھاری
گاجے باجے کھیل کھلونے
بالی بندے چوڑی گہنے
ناپ اور تول کے سچّے سودے
ہنسی خوشی سب اچھے سودے
سچّے سِکّے پکّے سودے
بھاری سودے ہلکے سودے
سب کے چہرے کھلے ہوئے تھے
سب کے جھولے بھرے ہوئے تھے
محرومی کا ساتھ نہیں تھا
کوئی خالی ہاتھ نہیں تھا
میں نے رات اک سپنا دیکھا

(۴)

میں بستی میں گھوم رہا تھا
چوک محلّے سونی گلیاں
رستے جیسے بھول بھلیاں
اسکولوں بازار کے رستے
چوڑی سڑکیں کچے رستے
دوشیزائیں راہ گذر پر
سادہ چادر جنکے سر پر
پاکیزہ خوش رنگ قبائیں
جن کو چھوتے ڈریں ہوائیں
نہ کوئی چوڑی کھنکے تھی
نہ کوئی پائل چھنکے تھی
دھیمے لہجے نیچی نظریں
سورج کی پاکیزہ کرنیں
سیدھے سادے چہرے مُہرے
اپنے اوپر اپنے پہرے
نہ کوئی آوازیں کستا
نہ کوئی روکے تھا رستا
ہراک عمر کے مرد اور لڑکے
سب کے اپنے اپنے دستے
میں نے رات اک سپنا دیکھا

(۵)

میں بستی میں گھوم رہا تھا
رنگ برنگے اونچے نیچے
سب کے اپنے اپنے گھر تھے
پارک میں بچے کھیل رہے تھے
رنگ برنگے پھول کھلے تھے
کوئی کتابیں دیکھ رہا تھا
کوئی جُھولا جھول رہا تھا
نیم کی شاخیں لچک رہی تھیں
پیڑ پہ چڑیاں چہک رہی تھیں
گھاس پہ لیٹے گود کے بچے
گھٹنوں کے بل چلتے بچے
آپس میں سب ملتے جلتے
جیسے سب اک گھر کے بچے
میں نے رات اک سپنا دیکھا

(٦)

میں بستی میں گھوم رہا تھا
ایک مکاں میں آگ لگی تھی
کیسی ہاہا کار مچی تھی
سب کا چہرہ دھواں، دھواں تھا
جیسے سب کا یہی مکاں تھا

ہندو مسلم سکھ عیسائی
سب نے ملکر آگ بجھائی

ہر دل میں اک درد سا اُٹھا
ہر اک آنکھ سے آنسو ٹپکا
ملبے سے اک لاش ملی تھی
بُری طرح سے جلی ہوئی تھی

ہر اک دل کو تھام کے رویا
جیسے وہ سب کا بیٹا تھا
میں نے رات اک سپنا دیکھا

(۷)

میں بستی میں گھوم رہا تھا
گھر میں کیسی دھوم مچی تھی
بیٹی دلہن بنی ہوئی تھی

لال گلابی چولا پہنے
پھولوں کے گجرے اور گہنے
جھومر نتھ کنگن اور جھالے
جسم چُرائے گھونگھٹ ڈالے

ڈھکی ہوئی پھولوں سے کلائی
مہکا مہکا دستِ حنائی
شرم میں ڈوبی مہکی مہکی
اندر اندر چہکی چہکی

کانوں میں رس گھولتے گانے
ڈھولک کے سب گیت سہاتے

نہ آتش بازی کے خطرے
نہ کوئی تکرار نہ جھگڑے

نہ فرمائش نہ سوغاتیں
لین دین کی کہیں نہ باتیں

روپیہ پیسہ سونا چاندی
کس نے دی اور کس نے مانگی

ہاتھی گھوڑے بینڈ نہ باجا
دولہا پھر بھی سب کا راجا

آنکھیں بھیگیں دل بھر آئے
سب نے سر پر ہاتھ پھرائے

چاروں طرف خاموشی چھائی
سب کی بیٹی ہوئی پرائی

میں نے رات اک سپنا دیکھا
جو بھی دیکھا اپنا دیکھا

یارب میری جھولی بھردے
میرا سپنا سچا کردے

○○○

بازار

وہ ایک بادل تھا رحمتوں کا
بہت ہی پاکیزہ، صاف شفاف نور جیسا
وہ جس کو قدرت کی نرم خومہرباں ہوائیں
سلگتی دھرتی پہ لے کے اُتریں
وہ ابر رحمت جو کُھل کے برسا
تو جیسے اک انقلاب برسا

ہمارے بچپن کی سہمی آنکھوں کے سامنے ہی
ہماری قبروں کو کھودنے والے ہاتھ کانپے
وہ سنگدل موم ہو کے پگھلے
وہ دستِ بے رحم دست شفقت میں ڈھل گئے، تھے
ہمیں نئے پاسباں ملے تھے
اور عصمت بے اماں کو تازہ ہوا نے بانہوں میں لے لیا تھا
برہنہ سر کو ردا ملی تھی
کُھلے بدن کو قبائے حرمت عطا ہوئی تھی

وہ نغمۂ ورقص وجام ومینا کی محفلیں سرد ہوگئی تھیں
ہمارے جسموں کی سب دکانیں سمٹ گئی تھیں
ہمیں نئے نام مل گئے تھے
نئے مراتب عطا ہوئے تھے
ہمارے پیکر مہک اٹھے تھے
زمیں شاداب ہوگئی تھی
مگر اے پروردگار عالم
زمین پھر سے سُلگ رہی ہے

ہماری روحوں سے جسم وجاں چھینے جارہے ہیں
ہماری قبریں
ہماری ماؤں کی کوکھ میں کھودی جارہی ہیں
ہمارے نازک بدن گلی میں پڑے ہوئے ہیں
درندے جن کی تلاش میں ہیں

خموش گڈ ے گڑیوں کی آنکھیں
وہ سُونی گلیوں کی تنگ بانہیں
وہ روشنی میں نہائی سڑکوں کے تنگ وتاریک بالا خانے
ہماری بے حُرمتی کی کتنی گواہیاں ہیں

نئی دکانیں ہمارے جسموں کی سج گئی ہیں
تجارتوں کا نیا چلن ہے

اندھیرے کمرے کا دودھ جیسا سفید پردہ
ہمارے جسموں کے زاویئے سے سجا ہوا ہے
دبیز شیشے کے چھوٹے پردے کے منظروں میں
ہمارے جسموں کے سارے پردے اُتر گئے ہیں

نئے تمدّن کے چکنے رنگین کاغذوں پر
ہمارے جسموں کے رنگ سارے بکھر گئے ہیں
بدن کو باریک تانے بانے میں بُن دیا ہے
لباس دے کر ہمیں برہنہ کیا گیا ہے

ہم عصمت بے اماں ہیں یارب
جدید تہذیب کے اندھیرے جھلستے بن میں
ہمارے بن باسی کی کوئی انتہا نہیں ہے
کوئی حصارِ اماں نہیں ہے
کہیں کوئی پاسباں نہیں ہے
سب اپنے اپنے خمار کی نیند سو رہے ہیں کوئی تو جاگے
کوئی تو ابرِ کرم کی صورت زمیں پہ برسے
زمین پھر سے سُلگ رہی ہے

○○○

قطعات

میں قید ہواؤں میں ہوائیں بھی اُسی کی
دل میں مرے اک حوصلہ اک ڈر بھی اُسی کا
وہ چاہے تہہِ آب کرے چاہے سرِ آب
کشتی بھی اُسی کی ہے سمندر بھی اسی کا

شعلہ کبھی شبنم میں سموتے نہیں دیکھا
پلکوں پہ سمندر کو پروتے نہیں دیکھا
وہ جس کی ہنسی تم کو گوارہ نہیں ہوتی
تم نے کبھی اُس شخص کو روتے نہیں دیکھا

کب تک تیری میری باتیں سنتے ہم
دل سے درد کی پھانسیں کب تک چنتے ہم
توڑ دیئے سب رشتے ناطے کیا کرتے
کب تک اپنے گرد پہ جالے بنتے ہم

شہادتوں کے چلن کو سنبھال کر رکھنا
ہر ایک رسم کہن کو سنبھال کر رکھنا
تمہارے خون کو گرمی اسی سے ملنا ہے
ہمارے سرد بدن کو سنبھال کر رکھنا

سنگ زاروں میں نئی فصل جنوں بونا ہے
باقی رہنا ہے تو پھر خود کو یہیں کھونا ہے
سرد کہساروں پر گرم لہو بہنے دو
اسی دریا سے نئے دن کی نمو ہونا ہے

دل کے آنگن میں ابھی سایۂ در باقی ہے
ہونٹ ساکت ہیں مگر دیدۂ تر باقی ہے
کون جانے کہ ابھی دور ہے منزل کتنی
دیکھئے اور ابھی کتنا سفر باقی ہے

زخم دھوئے ہوئے اب ایک زمانہ گذرا
مجھ کو روئے ہوئے اب ایک زمانہ گذرا
لوگ اب ڈھونڈنے نکلے ہیں عمر میرا سراغ
مجھ کو کھوئے ہوئے اب ایک زمانہ گذرا

بہت دکھ درد کا اظہار ہوگا
ہمارے تذکرے بھی کم نہ ہونگے
ہمارے گھر میں ہنگامہ سا ہوگا
سبھی ہوں گے مگر اک ہم نہ ہونگے

اِدھر اُدھر کی یہ سرگوشیاں ہیں بے معنیٰ
فصیلِ علمؐ پہ چڑھ کر ذرا پکار مجھے
تو میرے پاس تو آ، بات کر، دلیل تو دے
بگڑ گیاؔ ہوں اگر میں تو پھر سدھار مجھے

اس شوق میں کہ سب سے نمایاں ہوا پنا گھر
خوش رنگ پتھروں کا حسیں جال بن لیا
اور اب ہر ایک سانس پہ آتا ہے یہ خیال
ہم نے تو خود کو گھر کے ستونوں میں چن لیا

ooo

مختلف اشعار

نہ یہ تنہائی ہے نہ انجمن ہے
کوئی مجھ کو بتاؤ میں کہاں ہوں

مجھ کو ڈر ہے میں خود کو کھودوں گا
تم مرے آس پاس ہی رہنا

تمہارے بعد شکستوں کا سلسلہ سا چلا
میں ہر محاذ پہ تنہا کہاں تلک لڑتا

یہ انتہا بھی فقط اُس کے اپنے پن میں تھی
کہ زخم میرے تھے تکلیف اُس بدن میں تھی

ہونٹوں پر خاموشی رکھے آنکھوں آنکھوں بولے ہے
چھت پر اک معصوم پرندہ اُڑنے کو پر تولے ہے

وصالِ یار کی اک شب بہت گراں گذری
تمام عمر کی تنہائی دے گئی مجھ کو

عُمر کے سارے رنگ تو اوپر اوپر ہیں
اندر اندر لوگ سبھی بچّے ہوتے ہیں

منظر تو یہ کہ رشتے ہی رشتے ہیں آس پاس
احساس یہ کہ بھیڑ میں اپنا نہیں کوئی

اور پھر اُس کی رگیں جیسے دھواں دینے لگیں
وہ مری دُکھتی رگوں کو چھیڑتا بھی تھا بہت

سب کے بیچ اور سب سے دور اکیلا جیسے
میں کہ ڈال سے ٹوٹا سوکھا پتا جیسے

سلام کرتے تھے یارو دعائیں دیتے تھے
وہ کون لوگ تھے کن بستیوں میں رہتے تھے

یہ چھوٹے قد کے لوگوں کی اونچی عمارتیں
کتنے گھروں میں کب سے سویرا نہیں ہوا

ہمیں بزرگوں کے وارث نہ بن سکے ورنہ
پُرانے لوگ تھے گہرے سمندروں کی طرح

ہم نشیبوں میں بھٹکتا کوئی دریا تو نہیں
ہم سمندر ہیں ہمیں اپنی حدیں معلوم ہیں

لمحہ لمحہ پگھل رہا ہوں میں
اک خموشی میں ڈھل رہا ہوں میں

جادو ان خاموش لبوں کی جنبش کا
سب کو اپنا اپنا نام سنائی دے

گذرے وقتوں کی کتابوں میں بزرگوں کے خطوط
میری ویران حویلی میں خزانے نکلے

اندھیری رات کے طوفان میں سب گھر گئے لیکن
ہوئی سحر تو سمندر کے پار بس ہم تھے

دل سب کے دکھ رہے تھے مگر حوصلہ نہ تھا
قاتل کا ہاتھ بڑھ کے کوئی روکتا نہ تھا

مسجدوں میں سجدہ گاہیں راہ تکتی رہ گئیں
لوگ درگاہوں کی دہلیزوں پہ سجدہ ریز تھے

یہ بُت کدے میں کس نے جلائے نئے چراغ
یہ بانسری کو طرزِ اذاں کون دے گیا

کل جو بجلی کے کڑ کنے کا اُڑاتے تھے مذاق
آج پتہ بھی کھڑکتا ہے تو ڈر جاتے ہیں

اک نہ اک رشتہ تو سب کے بیچ ہوتا ہے عمر
اجنبی کہتے ہیں جس کو آشنا وہ بھی تو ہے

سکوتِ لب کو نگاہوں سے اُسکے نام لکھو
ضروری کب ہے کوئی نامہ و پیام لکھو

عہدِ جنوں میں ہم نے کیسے کیسے کام کئے
اس کی طرف سے خفیہ نامے اپنے نام لکھے

ooo

دستِ دعا

اپنے دیار تک مجھے تھوڑی بہت رسائی دے
میری جبیں کو لذت سجدہ سے آشنائی دے

دستِ دعا اُٹھا سکوں تجھ سے سوال کرسکوں
مجھ سے گناہگار کو جرأت لب کشائی دے

فکر وعمل کو کرعطا قید حصارِ بندگی
ایسا نہ ہوکہ پھر کبھی کوئی مجھے رہائی دے

تیری کتاب جب پڑھوں ایک اک حرف بول اُٹھے
عکس پڑے نگاہ میں کوئی صدا سنائی دے

میرے یقیں کو دے ثبات وہم وگماں سے دے نجات
مجھ کو اسیرِ عشق کر عقل سے اب رہائی دے

○○○

متحدہ ملی محاذ (رجسٹرڈ)

تعارف عزائم، اغراض ومقاصد

مفتی اعجاز ارشد قاسمی

ملت اسلامیہ ہند کی تمناؤں کا مرکز بن مر" آل انڈیا متحدہ ملی محاذ" اپنے یوم تاسیس ہی سے اسلام کی طاقت ورآواز بن کر ملک وملت کی ہمہ جہت خدمت میں سرگرم ہے۔ ملی شعائر اور اسلامی تشخص کی حفاظت کے لیے اس نے ہر عہد میں جد وجہد کی ہے اور آج بھی یہ فریضہ پوری توجہ اور توانائی کے ساتھ انجام پارہا ہے۔ حضرات اکابر علمائے کرام اور اہل فکر ودانش نے اس عظیم پلیٹ فارم سے ایسی عظیم الشان اور قابل قدر خدمات انجام دی ہیں کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تاریخ میں ان حضرات کا نام سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔ اس وقت آل انڈیا متحدہ ملی محاذ کے سامنے مسلمانوں کی تعلیمی، اقتصادی، معاشی، سماجی اور سیاسی رہنمائی کے ساتھ ہی سچر کمیٹی اور رنگا ناتھ مشرا کمیشن کی سفارشات پر عمل درآمد ایک چیلنج بن کر سامنے کھڑی ہوئی ہے، ان وطن دشمن جماعتوں سے مقابلہ آرائی، جو فرقہ پرستی کا زہر گھول کر ملک کی گنگا جمنی تہذیب کو ہی تباہ نہیں کررہی ہیں، بلکہ فرقہ واریت کے زہر کی تخم ریزی کر کے وطن عزیز کے خرمن اتحاد کو بھی تباہ کررہی ہیں۔ الحمدللہ آل انڈیا متحدہ ملی محاذ کے ارباب حل وعقد ایسے نامساعد حالات کا پوری جرأت اور فراست ایمانی کے ساتھ مقابلہ کررہے ہیں۔ خاص طور سے صدر محترم حضرت مولانا اعجاز عرفی قاسمی نے اپنی قائدانہ صلاحیت کا بروقت مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے بنیادی مسائل پر ارباب اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انتہائی جرأت مندانہ انداز میں نہ صرف ایوان اقتدار تک مسلمانوں کی آواز پہنچانے کی سعی مستحسن کی ہے، بلکہ تمام سیاسی مصلحتوں کو چیلنج دیتے ہوئے آواز حق بلند کرنے کی جرأت مندانہ پالیسی پر محاذ کو گامزن کرنے کی جو عظیم کوشش کی ہے، اس کا اندازہ آپ کی صدارت میں منعقد ہوئے مختلف اجلاسوں کی تجاویز سے لگایا جاسکتا ہے۔ اپنے اکابرین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حضرت صدر محترم نے سب سے پہلی توجہ جس بنیادی ضرورت پر دی، وہ ملت کے مظلوم وستم رسیدہ افراد کی قانونی دستگیری اور دستور ہند کی روشنی میں انہیں آئینی تحفظات کی فراہمی کو یقینی بنانا تھا۔ اس مشکل ترین مہم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے جس جہد پیہم اور عزم مستحکم کے ساتھ صدر محترم نے ملک کے ریاستی ذمہ داران میں فعال ومستعد ہونے کا ملی جذبہ بیدار کیا، اس کی کوئی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔

ملک میں دہشت گردی کے بڑھتے واقعات سے سیدھا نقصان مسلمانوں کا ہورہا تھا، کیوں کہ بغیر کسی ثبوت کے دہشت گردی کا رشتہ مسلمانوں سے جوڑ دیا جاتا تھا اور پھر بڑی تعداد میں مسلم نوجوانوں کو سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا جاتا تھا، آل انڈیا متحدہ ملی محاذ نے اس کے خلاف ملک گیر تحریک شروع کی اور دہشت گردی مخالف کانفرنس کا اہتمام

کروایا، جس کے مثبت نتائج سامنے آئے اور پھر ملک بھر میں اس پلیٹ فارم سے اس تحریک کو تقویت بخشی گئی۔ مرکزی مدرسہ بورڈ کے ذریعہ مدارس اسلامیہ پر حملہ کی ناپاک سازش کو بے نقاب کرنے کے لیے آل انڈیا متحدہ ملی محاذ نے ذمہ داران مدارس کی میٹنگ کا انعقاد کیا اور حکومت کو یہ باور کرادیا کہ اس کی کسی بھی طرح کی امداد مدارس کے لیے مہلک ہے۔ مدارس اسلامیہ دین کی حفاظت کا مضبوط ترین قلعہ ہیں، جن کی حفاظت ہمیں خود کرنا آتا ہے اور اس کے لیے ہم کاسۂ گدائی لے کر حکومت کے سامنے کھڑے نہیں ہوں گے۔ اس اسلامی قلعہ کی دیوار کو کمزور کرنے کی اگر کوئی بھی کوشش کی گئی، تو مسلمان پوری قوت اور اتحاد کے ساتھ سینہ سپر ہو جائیں گے۔

آل انڈیا متحدہ ملی محاذ نے ملک کی سالمیت کے لیے فرقہ پرستی کو خطرناک تصور کرتے ہوئے جمہوریت کی حفاظت کے لیے آواز بلند کی، صدر محترم نے میڈیا کو جاری بیان میں کہا کہ جمہوریت ہندوستان کا شعار ہے، جس کے تحت تین سو سے زیادہ قومیں ہندوستان میں یکساں حقوق کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہیں اور ملک کی تعمیر و ترقی میں اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ ہر ایک فرد کو آزادی کے ساتھ بات کہنے اور اپنے عقیدہ کے مطابق زندگی گزارنے کا دستوری حق حاصل ہے، جو آر ایس ایس جیسی تنظیموں کو برداشت نہیں ہے۔ اس ملک کی بقا کے لیے جمہوریت کا تحفظ ناگزیر اور فرقہ پرستی کا فروغ انتہائی خطرناک ہے۔ مختلف بم دھماکوں میں ہندو تنظیموں کے ملوث ہونے سے اب یہ بات صاف ہوگئی ہے کہ اس ملک میں دہشت گردی بھی فرقہ پرستی کے نتیجہ میں جنم لے رہی ہے؛ اس لیے آر ایس ایس جیسی تنظیموں پر فوراً پابندی عاید ہونی چاہئے۔

آل انڈیا متحدہ ملی محاذ نے انسداد فسادات بل کو پارلیمنٹ سے منظوری دینے کے لیے پوری قوت کے ساتھ اپنا مطالبہ رکھا تھا تاکہ ملک کی ساری قومیں تعمیر و ترقی اور قومی سلامتی کو یقینی بنانے کے لیے پہلے خود کو محفوظ و مامون تصور کریں، اگر کسی قوم میں عدم تحفظ کا احساس ہو جائے، تو یہ اس کے لیے بہت بڑا المیہ ہوگا اور آج مسلمان اس مصیبت سے دوچار ہے، جس سے نجات کے لیے ضروری ہے کہ انسداد فساد بل کو پارلیمنٹ سے منظوری ملے۔

گزشتہ ۶۴ رسالوں میں مسلمانوں کا خوب سیاسی استحصال ہوا اور انہیں مذہبی تفریق و تعصب کا شکار بنایا گیا۔ آل انڈیا متحدہ ملی محاذ نے اس سے نجات پانے کا واحد راستہ ریزرویشن کو قرار دیا اور یہ مطالبہ کیا کہ رنگا ناتھا مشرا کمیشن کی ان سفارشات کو نافذ کیا جائے، جس میں پہلی بار مسلمانوں کو پسماندہ طبقہ تسلیم کرتے ہوئے سرکاری ملازمتوں، تعلیمی اداروں اور فلاحی اسکیموں میں ۱۰ رفیصد ریزرویشن دینے کی بات کہی گئی ہے۔ آل انڈیا متحدہ ملی محاذ نے بجا طور پر یہ آواز بلند کی کہ مسلمان ترجیحی نہیں بلکہ مساویانہ حق کا طلب گار ہے۔ مسلمانوں میں دینی روح بیدار کرنے کے لیے صدر محترم کی قیادت میں آل انڈیا متحدہ ملی محاذ نے اپنی جملہ اکائیوں کو یہ ہدایت جاری کی کہ مسلمانوں میں غیرت ایمانی اور حمیت اسلامی بیداری جائے اور ان کو علمی، اقتصادی اور سماجی میدانوں میں آگے لانے کی کوشش کی جائے، جس کے لیے معاشرہ کی اصلاح ناگزیر ہے۔

آل انڈیا متحدہ محاذ نے اسرائیلی بربریت کے خلاف اپنے اس موقف کا اعادہ کرتے ہوئے یہ قرارداد منظور کی کہ اسرائیل کے توسیعی عزائم صرف فلسطینی مسلمانوں کے خلاف ہی نہیں، بلکہ وہ مشرق وسطی کے لیے بھی زبردست خطرہ ہیں۔ اسرائیل امن عالم کی راہ میں رکاوٹ ہے، جو ہمیشہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کو مسترد کرتے ہوئے فلسطینیوں کے خلاف ظلم

وبربریت کر کے امن وقانون کی دھجیاں اڑا رہا ہے، یہ ایک دہشت گرد ملک ہے، جسے امریکہ وبرطانیہ کی سرپرستی حاصل ہے۔ اس لیے آل انڈیا متحدہ ملی محاذ اسرائیلی دہشت گردی کو مسترد اور فلسطین کی آزادی کے لیے اپنی حمایت کا اعلان کرتا ہے۔

اس وقت متحدہ ملی محاذ عالم اسلام میں عوامی بیداری اور اسلامی یکجہتی کے مشن میں مصروف عمل ہے، تاکہ عالم اسلام میں بڑھتی عوامی جدوجہد کے اسباب وعلل پر روشنی ڈالی جاسکے اور وہاں کے عوام کے جذبات واحساسات کو سمجھنے کی کوشش کو یقینی بنایا جاسکے۔ یہ اس محاذ کی بڑھتی مقبولیت اور خلوص وللٰہیت ہی کی علامت ہے کہ ملک کی چہار جانب سے بڑی تعداد میں ملی تنظیمیں محاذ سے وابستہ ہوتی جارہی ہیں اور اس کا نیٹ ورک دن بدن بڑھتا جارہا ہے۔ صدر محترم مولانا اعجاز عرفی قاسمی کی شخصیت نے اپنے انقلابی کردار سے ملک کے عوام وخواص کو متاثر کیا ہے اور آج ان کی سحر انگیز شخصیت سے ہر کوئی مسحور ہوتا نظر آرہا ہے۔ یہ ان کی جدوجہد اور حرکت وعمل ہی کا نتیجہ ہے کہ اکابرین کے نقش قدم کو باقی رکھتے ہوئے آل انڈیا متحدہ ملی محاذ ملک وملت کی خدمت میں اہم کردار ادا کررہا ہے اور اس کے زریں کارناموں کے نقوش گہرائی کے ساتھ ثبت ہوچکے ہیں۔

اسمائے گرامی ذمہ داران تنظیم وجمعیۃ

مولانا محمد اعجاز عرفی/ صدر آل انڈیا تنظیم علما حق، نئی دہلی
مفتی اعجاز ارشد قاسمی/ ممبر وقف بورڈ، دہلی
مولانا فیروز اختر قاسمی/ مرکزی جمعیۃ علماء
مولانا نوشیر احمد/ سکریٹری آل انڈیا ملی وتعلیمی فاؤنڈیشن
مولانا یعقوب قاسمی/ امداد فاؤنڈیشن، دہلی
مولانا انور علی قاسمی/ آل انڈیا مسلم مشاورتی کونسل، دہلی
مولانا عطاء اللہ قاسمی/ تنظیم علمائے مدارس، دہلی
مفتی فضیل الرحمٰن قاسمی/ الفیض ویلفیئر ٹرسٹ، دہلی
قاری دین محمد/ دانش ایجوکیشنل ویلفیئر ٹرسٹ، دہلی
قاری عبدالعزیز/ مسجد تقویٰ ناظم تحفیظ القرآن
مولانا محسن نقوی/ صدر نیشنل کونسل آف شیعہ علماء
مولانا جلال الدین حیدر نقوی/ صدر شہید مطہری سوسائٹی
قاری مہربان/ صدر عوامی سیوا کمیٹی، دہلی
زینت القرآن آن ایجوکیشنل اینڈ کلچرل سوسائٹی
مرزا ذکی احمد بیگ/ صدر تعمیر ملت فاؤنڈیشن، دہلی

آل انڈیا تنظیم علماء حق کے زیر اہتمام مولانا محمد اعجاز عرفی قاسمی کی ادارت میں

''حسن تدبیر'' کے چار خصوصی شمارے
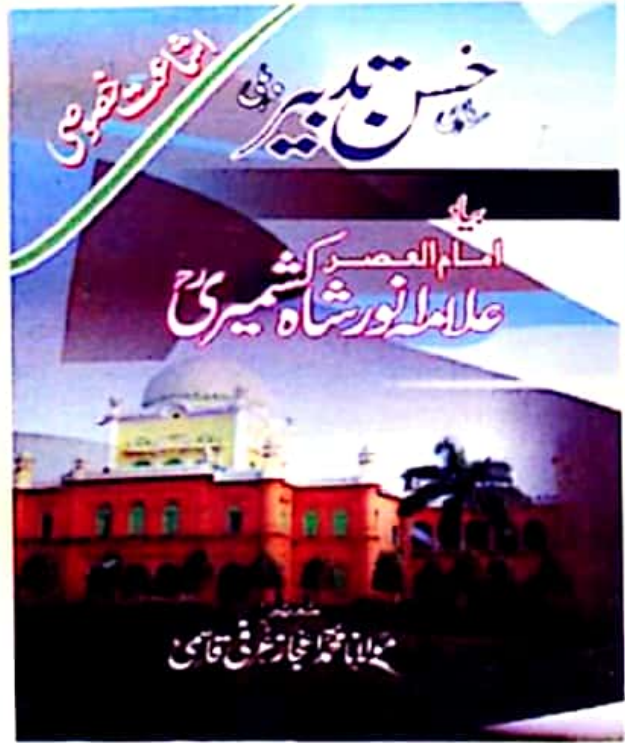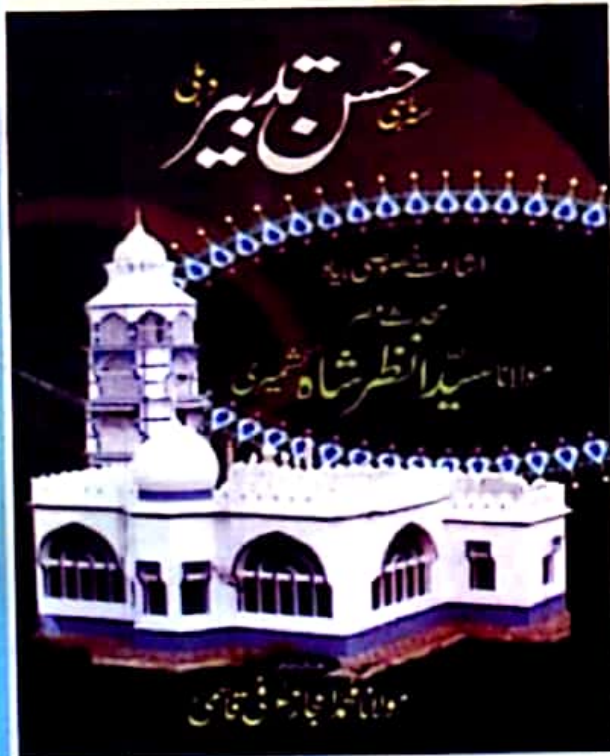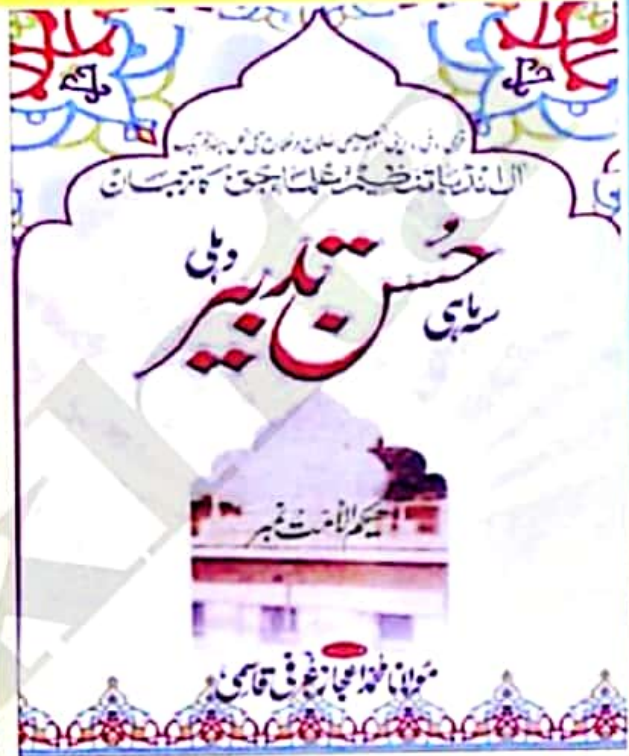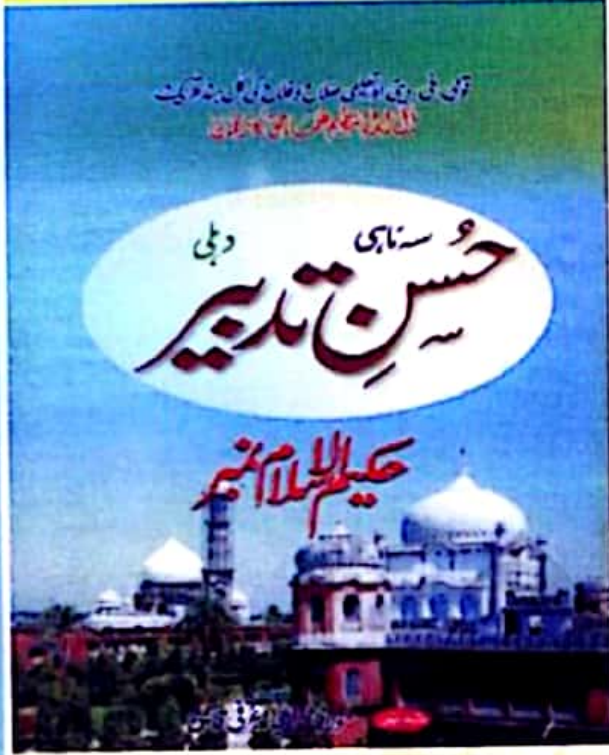
ALL INDIA TANZEEM ULAMA-E-HAQ

E-mail : aitulemaehaq@gmail.com E-mail : husnetadbir@gmail.com

Web : www.aitulamaehaq.org

A/C No. 004601053825, ICICI Bank

Q-25, Alsamad Road, Batla House, Jamia Nagar,
New Delhi-110025, Telefax : 011-26985943